الزهراء

سلسلہ تاریخ و سوانح

مدیر ٭ حنیف رامے

۱ - الحسین
۲ - الہارون
۳ - خالد ، سیف اللہ
۴ - چنگیز خان ، فاتح عالم
۵ - امیر تیمور ، لرزندۂ جہاں
۶ - عمرو بن العاص ، فاتح مصر
۷ - الزہراء
۸ - محمد ، رسول اللہ
۹ - ابوبکر ، صدیق اکبر
۱۰ - عمر ، فاروق اعظم
۱۱ - عرب دنیا
۱۲ - سفر نامہ مارکوپولو
۱۳ - پہلی صدی کے مسلمان

الزہراء

ام الشہداء و سیدۃ النساء
حضرت فاطمۃ الزہراء

☆

عمر ابوالنصر

ترجمہ : شیخ محمد احمد پانی پتی

مکتبہ جدید
(انارکلی) لاہور

بار اول : ۱۹۵۶ء

ناشر : رشید احمد چودھری
مکتبہ جدید ، انار کلی لاہور

طابع : نذیر احمد چودھری
سویرا آرٹ پریس ، لاہور

ترتیب

عرض مترجم

حضرت فاطمة الزهراء بنت رسول اللہ کو تاریخ اسلام میں جو حیثیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ رسول اللہ کی سب سے محبوب بیٹی، حضرت علی کی زوجۂ محترمہ، نوجوانان جنت کے سردار حضرت حسن اور شہید کربلا حضرت حسین کی والدہ تھیں۔ اپنی ذاتی خوبیوں، پاکیزہ سیرت اور تقویٰ وطہارت کے اعتبار سے آپ کا شمار صف اول کی صحابیات میں ہوتا ہے۔ جس دل سوزی، جانفشانی اور محبت سے آپ نے رسول اللہ کی خدمت کی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اور شادی کے بعد جس اخلاص اور وفاداری سے آپ نے اپنے شوہر کے ہمراہ انتہائی غریبی کی زندگی بسر کی وہ محتاج بیان نہیں۔ آپ انتہائی فرمانبردار بیٹی، بے حد صابر و شاکر بیوی، بہترین ماں اور نہایت بلند پایہ خاتون تھیں۔

حضرت فاطمہ جیسی مطہر اور پاک ہستی کی زندگی کے کسی بھی گوشے پر کوئی مسلمان حرف گیری کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا لیکن مغربی مستشرقین نے (جن کے دلوں میں اسلام کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، اگرچہ بظاہر وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا بڑا ہمدرد اور اسلامی ثقافت و تہذیب کا محافظ خیال کرتے ہیں) حضرت فاطمہ جیسی طاہرہ کو بھی اعتراضات کا ہدف بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ان

مستشرقین میں فرانس کا ایک شخص 'لامنس' سب سے پیش پیش ہے۔ اس نے فرانسیسی میں حضرت فاطمہ کے متعلق ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں اس نے اپنے قول کے مطابق حضرت فاطمہ کی زندگی کے "صحیح خط و خال" دکھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ لیکن در اصل اپنے اس للٰہی بغض و عداوت کے کے باعث، جو اسے مسلمانوں سے ہے، حضرت فاطمہ کی زندگی کو کچھ اچھے رنگ میں پیش نہیں کیا اور اپنی کتاب میں جابجا آپ پر، رسول اللہ پر اور حضرت علی پر اعتراضات کیے ہیں۔

لبنان کے مشہور فاضل عمر ابوالنصر (مصنف: الحسین، الہارون) نے اس کتاب میں لامنس کے وہ تمام اعتراضات درج کر کے، جو اس نے حضرت فاطمہ کی زندگی پر کیے ہیں، نہایت سلجھے ہوئے طریقے سے ان کا جواب دیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب حضرت فاطمہ کی سوانح عمری بھی ہے اور آپ کی زندگی پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب بھی، مزید برآں آپ کی سیرت کا مرقع بھی۔ اردو کیا فارسی میں بھی حضرت فاطمہ کی اس طرز کی سرگذشت غالباً اور کوئی نہ ہوگی۔

محمد احمد پانی پتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک یتیم اور اس کی شادی

خدیجہ کا اضطراب

دن سخت گرم تھا اور لو چل رہی تھی ۔ اسی اثناء میں خدیجہ بنت خویلد ، مکہ کی ایک مالدار خاتون ، اپنے مکان کی بالائی منزل پر کھڑی اس راستے کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھیں جو مکہ اور شام کو آپس میں ملاتا تھا اور تا حد نظر ان کے سامنے پھیلا ہوا تھا ۔

خدیجہ کا روزانہ معمول یہی تھا کہ وہ بالائی منزل پر کھڑی ہو کر ان قافلوں کی راہ تکا کرتی تھیں جو تجارت کے لئے مکہ سے باہر گئے ہوئے تھے ۔ اس انتظار و شوق کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے بھی قریش کے ایک نوجوان کو تجارتی مال دے کر اپنے غلام میسرہ کے ہمراہ شام بھیج رکھا تھا ۔ یہ نوجوان قریش کے معزز ترین خاندان سے تعلق رکھتا تھا اگر چہ ابتداء ھی سے اسے غریبی کی حالت میں زندگی بسر کرنی پڑی ۔ اس نوجوان کی پیدائش سے صرف دو ماہ قبل اس کے والد عبداللہ نے سفر آخرت اختیار کیا تھا اور ولادت سے چھ سال بعد اس کی والدہ آمنہ بھی اس دنیا سے کوچ کر گئی تھیں ۔ والدہ کی وفات

کے بعد اس کے دادا عبدالمطلب نے اس یتیم کی پرورش شروع کی لیکن نو سال کی عمر میں وہ بھی اسے داغ مفارقت دے گئے - اب اس کی کفالت اس کے چچا ابوطالب نے اپنے ذمے لے لی -

ابوطالب بھی فقر و فاقہ کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے - انھیں اپنے کثیر اهل و عیال کی پرورش کرنے اور ان کا پیٹ پالنے کے لئے سخت جد و جہد سے کام لینا پڑتا تھا - لیکن جب سے یہ یتیم بچہ ان کے زیر نگرانی آیا ان کی حالت سدھرنی شروع ھوگئی اور اس قلیل روزی ھی میں، جو انھیں کافی محنت و مشقت کے بعد حاصل ھوتی تھی ، اللہ نے اس قدر برکت دی کہ وہ گھر کا گزارہ بخوبی چلانے لگے -

ایام گزشتہ

خدیجہ کے سامنے ایام گزشتہ کے واقعات ایک ایک کر کے گزر رہے تھے - ان کی نظروں میں اس وقت کا سماں پھر رہا تھا جب ابرھہ لشکر لے کر کعبہ کو ڈھانے کے لئے مکہ پر حملہ آور ھوا تھا - پھر کس طرح اللہ نے ابابیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج کر اس کے عظیم الشان لشکر کو آن کی آن میں نابود اور تہس نہس کر دیا اور مکہ کے لوگ ، جو ابرھہ کے لشکر کے ڈر سے پہاڑوں میں جا چھپے تھے، انبساط اور شادمانی کے جذبات لیے ھوئے واپس آ گئے اور شہر کی گلیاں شادان و فرحاں لوگوں کے هجوم سے بھر گئیں - اس سارے مجمع میں صرف ایک بوڑھا شخص ایسا تھا جو اس تقریب مسرت پر قوم کی خوشی میں شریک ھونے کے

باوجود اپنے دل میں ایک سوزش پنہاں لیے ہوئے تھا۔ اس کے حزن و الم میں قریش کی ایک خاتون بھی شریک تھی۔ یہ غمگین و حزین بوڑھے شخص قریش کے سردار عبدالمطلب بن ہاشم تھے اور ان کے غم میں شریک خاتون ان کی بہو آمنہ بنت وہب تھیں۔

عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے اُنھیں دس فرزندوں سے نوازا اور وہ سب جوانی کی عمر تک زندہ رہے تو وہ اُن میں سے ایک بیٹے کو اُس کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ اللہ نے اُن کی یہ آرزو پوری کی اور اُنھیں دس فرزند عطا کیے۔ عبدالمطلب نے اپنی نذر پوری کرنے کا ارادہ کیا۔ قرعۂ فال سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام پر پڑا جو باپ کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ تاہم نذر پوری کرنے کے خیال سے عبدالمطلب اُنھیں قربان کرنے کے لیے کعبہ میں لے گئے۔ لیکن اللہ کو انھیں بچانا منظور تھا، اُس نے قریش کے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ عبداللہ کے بجائے اُونٹ کی قربانی کر دی جائے۔ عبدالمطلب نے بھی اس تحریک کو خدائی منشا سمجھ کر قبول کر لیا اور عبداللہ کے بدلے سو اُونٹ ذبح کر دیے گئے۔ اُس وقت کہ سارا شہر مسرت و شادمانی کے سیلاب میں ڈوبا ہوا تھا، عبدالمطلب کے دل میں بار بار یہ خیالات گردش کر رہے تھے کہ اللہ نے اُن کے سب سے پیارے بیٹے کو، عین اُس وقت جب وہ اُسے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے تھے، اپنی رحمت کے طفیل موت کے منہ سے بچا لیا تھا۔ کیا یہ موت سے نجات اس لیے تھی کہ تھوڑے عرصے بعد ہی وہ پھر موت کے پنجے میں گرفتار ہو جائے؟ کیا یہ

عجیب بات نہ تھی کہ موت سے چھٹکارا حاصل ہونے کے بعد اُس کی شادی ہوئی لیکن اُسے زیادہ عرصہ بیوی کے پاس رهنا نصیب نہ ہؤا اور کچھ هی دنوں بعد یثرب میں اُس کی ننهیال ، بنو نجار میں اُس کا آخری وقت آ پہنچا - یثرب جانے کے بعد اُس کی نئی نویلی دلهن کو معلوم ہؤا کہ وہ اپنے پہلو میں ایک امانت اُٹھائے ہوئے ھے - کون جانتا تھا کہ عبداللہ کو اپنی یہ امانت اپنی بیوی آمنہ سے حاصل کرنی نصیب نہ ہو گی اور کسے پتا تھا کہ آمنہ بنت وھب کو یہ امانت اپنے شوہر کو دینے کا موقع نہ ملے گا اور وہ اسے دوسرے لوگوں کے سپرد کرنے پر مجبور ہو گی ؟

اس یتیم بچے کی پرورش دادا کے بعد اُس کے چچا ابوطالب کے ھاں ہوئی - بچپن هی سے اُسے اپنے اعصاب پر پورا قابو حاصل تھا - کھیل کود ، لہو و لعب اور راگ رنگ کی محفلوں سے وہ دور بھاگتا تھا - شراب کا ایک قطرہ اُس نے کبھی نہ چکھا تھا جو اُس زمانے میں ایک عجیب و غریب بات خیال کی جاتی تھی - نیک عادات ، شائستہ اطوار اور بلند اخلاق کے لحاظ سے مکہ کا کا کوئی بچہ اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا - یہی وجہ تھی کہ جوان ہونے کے بعد اُس کے حسن خلق اور امانت و دیانت کی شہرت مکہ بھر میں پھیل گئی -

خدیجہ نے بھی اس یتیم نوجوان کا شہرہ سنا اور دل میں بے اختیار یہ خواهش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اپنی تجارت کے سلسلے میں اس نوجوان کی امانت و دیانت اور ذکاوت و فطانت سے فائدہ حاصل کریں - چنانچہ اُنھوں نے

اس سے درخواست کی کہ وہ ان کا تجارتی مال فروخت کرنے کے لیے شام لے جائے اور وعدہ کیا ، وہ اس کا معاوضہ اتنا دیں گی کہ آج تک کسی کو نہ دیا ہو گا ۔ نوجوان نے رضامندی کا اظہار کر دیا اور اس خاتون کا سامان لے کر بغرض تجارت شام روانہ ہوگیا ۔

اب اس کی واپسی کے دن قریب تھے اور خدیجہ روزانہ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اس کی راہ تکا کرتی تھیں ۔

خدیجہ کا مرتبہ

خدیجہ بنت خویلد مکہ کی ایک معزز ، شریف النسب ، نیک ، پارسا اور مالدار خاتون تھیں ۔ ان کے ذریعے سے مکہ کے اکثر مفلس ونادار اور غریب و بیکس لوگوں کی پرورش ہوتی تھی ۔ اپنے اعلیٰ اخلاق ، نیک عادات ، حسب و نسب اور مال و دولت کے لحاظ سے وہ اپنی قوم میں انفرادی حیثیت کی مالک تھیں ۔

جس زمانے کا ذکر ہم کر رہے ہیں وہ زمانۂ جاهلیت کا آخری دور تھا ۔ اس وقت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی ۔ وہ حسن اخلاق اور بے نظیر خصائل کی بنا پر قریش میں بہت بڑے رتبے کی مالک تھیں ۔ اپنی پاک سیرت ، بلند اخلاق اور نیک عادات کی بنا پر جاہلیت میں 'طاہرہ' کے لقب سے مشہور تھیں ۔ ان کی عقل و خرد، جودت رائے اور طہارت قلب کا شہرہ سن کر مکہ کے ایک معزز فرد عتیق بن عابد نے انھیں نکاح کا پیغام دیا جو انھوں نے قبول کر لیا اور دونوں کی شادی ہو گئی ۔ لیکن کچھ

ہی عرصہ بعد عتیق کا انتقال ہو گیا - عتیق کی وفات کے بعد ایک اور معزز قریشی ابو ہالہ سے ان کا نکاح ہؤا - ابوہالہ سے ان کے ایک لڑکا ہؤا جس کا نام 'ہند' رکھا گیا - لیکن یہ لڑکا زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہا - اس کے انتقال کے بعد ابو ہالہ بھی وفات پا گئے اور خدیجہ پھر تنہا رہ گئیں - وہ اپنے مکان میں بیوگی کی زندگی بسر کرنے لگیں - چونکہ وہ بہت مالدار تھیں لہذا ان کے لیے عیش و آرام کے اسباب کی کوئی کمی نہ تھی - وہ بڑی شان سے زندگی بسر کرتی تھیں اور لونڈیاں اور غلام ہر وقت اُن کی خدمت کو موجود رہتے تھے -

مکہ ایک تجارتی شہر تھا - وہاں کے باشندے رات دن تجارت میں مشغول رہتے تھے اور ارد گرد کے ممالک میں اپنے تجارتی قافلے بھیجتے رہتے تھے - وہ لوگ ایک ملک کی چیزیں دوسرے ملک میں لے جا کر فروخت کرنے کے علاوہ ہر سال کچھ دنوں کے لیے مکہ کے قریب بازار بھی لگاتے تھے جہاں دنیا بھر کی چیزیں لائی جاتی تھیں اور ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی - ان بازاروں میں سب سے مشہور بازار 'سوق عکاظ' تھا جو پہلی ذی قعدہ سے مکہ اور طائف کے درمیان لگا کرتا تھا - اس کے علاوہ اور بازار بھی تھے -

سرزمین حجاز میں جو پیداوار ہوتی تھی اور باہر بھیجی جاتی تھی وہ زیادہ تر معدنیات ، جڑی بوٹیوں ، خوشبوؤں اور ایسی نباتات پر مشتمل ہوتی تھی جو چمڑا دھونے اور رنگنے کے کام آتی ہیں - اس کے علاوہ وہ

جانوروں کا دودھ سکھا کر پنیر وغیرہ تیار کر لیا کرتے تھے، ان کے جسم پر سے پشم اور اون اتارا کرتے تھے اور انھیں ذبح کر کے چمڑا حاصل کیا کرتے تھے - اس کے علاوہ کھجوروں اور انگوروں کو خشک کر کے کشمش اور منقی وغیرہ بنایا کرتے تھے - یہ تمام چیزیں وہ اپنے ساتھ تجارت کے لیے لے جایا کرتے تھے اور اس طرح ان کی تجارت کا بازار گرم رهتا تھا -

آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی تاجروں کے مختلف طبقے تھے - بعض صرف کپڑا بیچتے تھے ، بعض تیل اور چربی کا کاروبار کرتے تھے ، بعض گوشت بیچتے تھے ، بعض سامان جنگ کی تجارت کرتے تھے ، بعض کا پیشہ غلاموں کی خرید و فروخت تھا ، بعض شراب یا جڑی بوٹیوں وغیرہ کا بیوپار کرتے تھے - چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے متعلق روایات میں آتا ھے کہ وہ دونوں بزازی کا کام کرتے تھے -

تجارت کرنے کی وجہ سے قریش کے پاس مال و دولت کی کمی نہ تھی اور وہ بافراغت زندگی بسر کرتے تھے - یہ مال و دولت کی فراوانی ھی تھی جس کے باعث وہ جنگ بدر کے بعد اپنے بہت سے قیدیوں کو زر فدیہ دے کر رہا کرا سکے -

خدیجہ اور تجارت

خدیجہ کی تجارت بھی دوسروں سے کسی طرح کم نہ تھی - وہ حجاز اور مکہ کی پیداوار ، معدنیات وغیرہ ، شام

بھیجا کرتی تھیں اور اُن کی فروخت سے جو قیمت حاصل ہوتی تھی اُس سے وھاں کی چیزیں خرید کر مکہ اور سوق عکاز وغیرہ میں فروخت کیا کرتی تھیں ۔

جب اُنھوں نے محمد بن عبداللہ کی امانت و دیانت ، حسن اخلاق اور حسن سیرت کا شھرہ سنا تو آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کا مال شام لے جائیں ۔ رسول اللہ نے اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کیا ۔ اُنھوں نے رائے دی کہ خدیجہ کی درخواست قبول کر لینی چاھیے ۔ چنانچہ رسول اللہ خدیجہ کا تجارتی مال لے کر اُن کے غلام 'میسرہ' کے ھمراہ شام چلے گئے ۔ وھاں جا کر آپ نے بڑے مناسب داموں پر وہ مال فروخت کر دیا اور اُس کے بدلے شام کا مال لے کر مکہ آ گئے ۔ وہ مال خدیجہ نے مکہ میں بیچ کر بڑا بھاری نفع حاصل کیا ۔

اس وقت رسول‌اللہ کی عمر پچیس سال کی تھی ۔ اس عمر میں عرب کے نوجوان بالعموم کھیل کود ، بے فکری ، سیر و شکار اور گپ شپ میں اوقات ضائع کیا کرتے تھے ۔ لیکن آپ میں ایسی کوئی بات نہ تھی اور آپ نے کبھی اپنے اوقات کو فضول کاموں میں ضائع نہ ھونے دیا تھا ۔

شام سے واپسی پر خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ سے آپ کا سارا احوال پوچھا ۔ میسرہ نے آپ کے اخلاق کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ اس نوجوان کی سرشت اپنے دوسرے تمام ھم عمروں سے بالکل مختلف ھے ۔ دوسرے لوگوں کے برعکس یہ تنہائی اور علحدگی کا دلدادہ ھے ۔ شھر کے شور و شغب کے مقابلے میں صحراء کا سکوت اور دن کے ھنگاموں کے مقابلے میں رات کا پر سکون ماحول اسے زیادہ

پسند ہے ۔ اس کے ہمجولی زندگی کی دلچسپیوں سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن اسے ان باتوں سے قطعاً سروکار نہیں ۔

میسرہ کی ان باتوں نے خدیجہ کے دل پر بہت اثر کیا اور جو قلبی تعلق انھیں آپ سے تھا اس میں مزید استواری پیدا ہو گئی ۔ بالآخر انھوں نے اشارات و کنایات سے آپ کی زوجیت میں آنے کی خواہش کی ۔ آپ نے اس کے متعلق حسب دستور اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کیا جو بجائے باپ کے اس وقت آپ کے سرپرست تھے ۔ انھوں نے یہ تعلق پسند کیا اور خدیجہ کے پاس جا کر اپنے بھتیجے کی طرف سے نکاح کا پیغام دے دیا جو انھوں نے قبول کر لیا اور اپنے چچا عمرو بن سعد کو کہلا بھیجا کہ وہ ان کے ولی بن کر نکاح کی رسوم پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں ۔

شادی

رسول اللہ اپنے چچاؤں اور رؤساء مضر کو لے کر محفل عقد میں تشریف لائے ۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی اس موقع پر موجود تھے ۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو ابو طالب نے خطبۂ نکاح شروع کیا ۔ آپ نے فرمایا :

" اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں ابراہیم کی نسل ، اسماعیل کی اولاد اور قبیلۂ مضر کا فرد بنایا ۔ اس نے ہمیں اپنے گھر کا محافظ اور اپنے حرم کا نگہبان مقرر کیا ، وہ حرم جس کا حج کرنے کے لیے ہر چہار طرف سے لوگ کھچے چلے آتے ہیں ۔ اس نے ہمیں لوگوں کا حاکم اور سردار بنایا ۔

اس کے بعد واضح ہو کہ یہ میرا بھتیجا محمد ہے جو دوسرے لوگوں سے شرافت، عزت، حسب و نسب، فضل اور عقل میں کسی طرح کم نہیں۔ گو اس کے پاس مال و دولت نہیں لیکن مال تو ایک آنی جانی چیز ہے۔ اصل چیز اور سرمایہ عزت و شرافت ہے۔ میں اس کے نکاح کا اعلان خدیجہ بنت خویلد سے کرتا ہوں۔"

ابو طالب کے خطبے کے بعد ابو نوفل کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

"اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایسا ہی بنایا جیسا اے ابو طالب! تم نے بیان کیا ہے۔ اس نے ہمیں ایسی ہی فضیلت دی جس کا اظہار تم نے ابھی کیا ہے۔ ہم عرب کے سردار اور اس کے راہبر ہیں اور تم ان تمام باتوں کے مستحق ہو جو تم نے ابھی بیان کی ہیں۔ تمھاری خاندانی فضیلت سے بھی کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ تمھارے فخر اور شرافت کو کوئی شخص جھٹلا نہیں سکتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم سے تعلقات قائم کر کے تمھارے شرف میں حصہ دار ہو جائیں۔ سو اے گروہ قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ سے مہر مقررہ پر کر دیا ہے۔"

یہ کہ کر وہ خاموش ہو گئے جس پر ابو طالب نے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ کے چچا بھی کچھ بولیں تاکہ نکاح کی تمام شرایط پوری ہو جائیں۔"

اس پر خدیجہ کے چچا عمرو بن سعد نے اٹھ کر کہا:

"گواہ رہو اے گروہ قریش! کہ مجھے محمد بن عبداللہ کا نکاح خدیجہ بنت خویلد سے منظور ہے"۔

رسول اللہ نے بھی اپنا نکاح خدیجہ سے قبول فرمایا۔ نکاح کی گواہی میں متعدد صنادید قریش شریک ہوئے۔ اس کے بعد اُن اُونٹوں میں سے جو ابو طالب نے مہر میں دیے تھے ایک اُونٹ ذبح کیا گیا اور اہل قبیلہ کی دعوت کی گئی۔

زندگی کا نیا دور

یہ شادی دونوں کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی۔ حضرت خدیجہ بہت مالدار عورت تھیں۔ اُنھوں نے نکاح کے بعد اپنا سارا مال بے پس و پیش رسول اللہ کے سامنے حاضر کر دیا اور کہا کہ آپ اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں، مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ رسول اللہ نے بھی اس پیش کش کو بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور اس مال کو غریب و مسکین لوگوں، مسافروں، یتیموں، مظلوموں اور غلاموں کی امداد پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔

رسول اللہ میں رحم دلی اور احسان شناسی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھَرا ہؤا تھا۔ شادی کے بعد آپ نے اُن لوگوں کو کبھی فراموش نہ کیا جنھوں نے طفلی اور نوجوانی کی عمر میں آپ سے حسن سلوک روا رکھا تھا۔ اس سے قبل آپ غریبی کی وجہ سے اُن کے حسن سلوک کا کوئی بدلہ نہ دے سکتے تھے۔ لیکن اب اللہ نے آپ کو مال و دولت سے نوازا تھا، آپ نے اُنھیں بدلہ دینے، اُن کی مدد

کرنے اور اُن کی ضروریات پوری کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ بھی اس احسان و سلوک میں آپ کی پوری پوری شریک تھیں اور وہ صلہ رحمی و سخاوت میں آپ کی برابر مدد کرتی رہتی تھیں ۔ ان دونوں کی معاشرتی زندگی در حقیقت ایک جنت تھی جو اُنھوں نے خود اپنے لیے پیدا کر لی تھی ۔

وحی کا نزول

رسول اللہ ہر سال چند مخصوص مہینے شہر سے دور ، پہاڑوں کے درمیان ، اللہ کی عبادت میں گزارا کرتے تھے ۔ معمول کے مطابق آپ ایک مرتبہ غار حرا میں اللہ کی عبادت کر رہے تھے کہ یکایک جبریل کے ذریعے سے آپ پر وحی کا نزول ہؤا ۔ آپ نے اپنے سامنے ایک ایسی ہستی کو دیکھا جو نہ کسی انسان سے مشابہ تھی اور نہ قوت متخیلہ اُس کا تصور کرسکتی تھی ۔ اُس فرشتے نے آپ کو قرآن کریم کی چند آیات پڑھائیں اور اس کے بعد غایب ہوگیا ۔

لق و دق صحرا اور سنسان و ویران پہاڑوں کے درمیان یہ حیرت انگیز ڈرامہ ایک یکہ و تنہا انسان کے ہوش و حواس گم کر دینے کو کم نہ تھا ۔ آپ سخت گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے ۔ حضرت خدیجہ بھی بڑی بیتابی سے آپ کا انتظار کر رہی تھیں ۔ آپ کو دیکھ کر اُنھوں نے کہا :

” اے ابو القاسم ! آپ کہاں تھے ؟ میں نے شدید انتظار کے بعد لوگوں کو آپ کی تلاش میں بھیجا ۔ وہ

مکہ بھر میں آپ کو ڈھونڈ آئے مگر آپ نہ ملے۔"

رسول اللہ نے حضرت خدیجہ کو سارا واقعہ سنایا۔ انھوں نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا:

"اللہ کی قسم! آپ کا بال تک بیکا نہ ہو گا۔ آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، نو وارد لوگوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، غریبوں اور بیکسوں کی مدد کرتے ہیں، حاجت مندوں کی حاجت رفع کرتے ہیں، نادار اور اپاہج لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں اور ان کا کام کاج کرتے ہیں۔ اس صورت میں آپ کو کوئی ضرر کیوں پہنچنے لگا؟"

یہ کہہ کر وہ اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ ورقہ ایک عیسائی عالم تھا۔ توریت اور انجیل پر اسے بہت عبور حاصل تھا۔ وہ ان کتابوں کی باریکیوں اور پچھلی نبوتوں کے اخبار و حالات سے خوب واقف تھا۔ اس نے خدیجہ کی زبان سے یہ واقعہ سن کر کہا:

"اے خدیجہ! اگر تو مجھے سچا جانتی ہے تو اصل بات یہ ہے کہ تیرے شوہر کے پاس وہی ناموس اکبر (جبریل) آیا تھا جو اس سے پہلے موسیٰ کے پاس آ چکا ہے۔ محمد یقیناً اللہ کا نبی ہے۔"

حضرت خدیجہ ورقہ کی بات سن کر گھر آئیں اور رسول اللہ سے سارا ماجرہ بیان کیا۔ یہ سن کر رسول اللہ کے دل کو تسلی ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ نے رسول اللہ کے ساتھ ثابت

قدسی اور آپ سے سچی ہمدردی کا جو نمونہ دکھایا اس کی
نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے ۔ کفار مکہ کی طرف سے
جب کبھی آپ کی تکذیب کی جاتی ، آپ کی ہنسی اڑائی
جاتی اور آپ کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ، اس وقت
حضرت خدیجہ ہی کی ذات ہوتی تھی جو اس آڑے وقت میں
آپ کی تسلی اور تسکین کا باعث بنتی تھی ۔ اللہ کے ہزاروں
لاکھوں سلام اور رحمتیں ہوں اس پاکباز خاتون پر جس
نے اپنا تن من دھن ، سب کچھ رسول اللہ اور اسلام کی
خاطر قربان کر دیا ۔

خاندان نبوی

رسول اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں

اللہ نے رسول اللہ کو حضرت خدیجہ سے چھ اولادیں بخشیں ، دو لڑکے : قاسم اور عبداللہ اور چار لڑکیاں : زینب ، رقیہ ، اُم کلثوم اور فاطمۃ الزہراء ۔

چند لوگوں کے سوا باقی تمام مسلمان اور یورپی مؤرخین کا اس تعداد پر اتفاق ہے — اس کے باوجود بعض لوگ خواہ مخواہ رسول اللہ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی تعداد کے بارے میں بحث مباحثہ کرنے لگتے ہیں ۔

جو لوگ حضرت فاطمۃ الزہراء کے علاوہ حضور کی باقی بیٹیوں کے وجود سے انکار کرتے ہیں اُن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ثابت شدہ حقائق کو جان بوجھ کر مسخ کیا جائے اور حق سے کھلم کھلا روگردانی اختیار کر کے باطل کی پیروی کی جائے ۔

مشہور عیسائی مستشرق ' لامنس ' نے فرانسیسی میں ایک کتاب حضرت فاطمہ اور رسول اللہ کی دیگر صاحبزادیوں کے متعلق لکھی ہے ۔ اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے میں اُس نے تاریخ اسلام کی ابتدائی اور مستند کتابوں سے استفادہ کیا ہے ۔ لیکن کتاب میں جو روش اُس نے

اختیار کی ہے وہ نہایت عجیب و غریب ہے - بعض جگہ تو اس نے رسول اللہ کی بعض بیٹیوں کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے اور بعض جگہ ان کا ذکر تو کیا ہے لیکن انتہائی دل آزارانہ انداز میں - کتاب کیا ہے بہتان و افتراء کی پوٹ ہے -

ہماری اس کتاب کا موضوع اس امر کا متقاضی ہے کہ اس جگہ لامنس کے بیانات پر ٹھوس اور مدلل تبصرہ کیا جائے - خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ لامنس کی کتاب عربی اور فرانسیسی زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں حضرت فاطمہ اور آپ کی دیگر بہنوں کا ذکر ایک خاص اسلوب سے کیا گیا ہے اور رسول اللہ کی بیٹیوں کی گھریلو زندگی کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ آج تک کسی مؤرخ اور مصنف نے اس طرح پیش نہیں کیا -

لامنس لکھتا ہے :

رسول اللہ کو بیٹوں کی بڑی خواہش تھی کیونکہ بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے انہیں روز و شب اپنی قوم کے طعنے سہنے پڑتے تھے - ان کے مخالف برملا کہتے تھے کہ 'محمد (نعوذ باللہ) ابتر ہیں کیونکہ ان کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا جس سے ان کی نسل باقی رہے -* قرآن نے اس طعنے کا جواب اس طرح دیا کہ خود ان طعنہ دینے والوں کو ابتر کا لقب دے دیا اور کہا : ان شانئک ھوالابتر (اے محمد! تیرا دشمن ہی ابتر ہے)-

* بلاذری در ذکر انساب الاشراف

بعض لوگ کہتے تھے "محمد کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ بھائی - اس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر بھی منقطع ہو جائے گا -"

لامنس لکھتا ہے :

یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر مؤلفین کتب سیر نے اپنی کتابوں میں رسول اللہ کے کئی بیٹوں اور بیٹیوں مثلاً طیب اور مطیب ، عبدالعزة اور عبد مناف کا ذکر کیا ہے - حالانکہ ان بیٹوں کا وجود ثابت کرنا حد درجہ دشوار امر ہے - خصوصاً اس حالت میں کہ خود مؤلفین سیرۃ نبویہ میں ان کے ناموں اور وجود کے بارے میں اختلاف ہے *-

لامنس نے اپنے قارئین کو صریح فریب دہی اور مغالطہ انگیزی میں مبتلا کرنا چاہا ہے - تاریخ کا یہ ایک مسلمہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ کی چار بیٹیاں اور تین بیٹے تھے ، جن میں سے سوا ابراہیم کے ، جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے باقی سب حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے - بیٹیوں میں سب سے بڑی زینب تھیں ، ان سے چھوٹی رقیہ اور ام کلثوم اور سب سے چھوٹی فاطمہ - بیٹوں میں سب سے بڑے قاسم تھے - انھیں کی وجہ سے آپ کی کنیت بھی ابوالقاسم تھی - یہ نبوت کا شرف حاصل ہونے سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر میں وفات پا گئے - آپ کی اولاد میں سب سے پہلے انھیں نے وفات پائی - ان کے بعد حضرت خدیجہ سے چار بیٹیاں بہ ترتیب بالا ہوئیں -

* فاطمہ و بنات محمد از لامنس صفحہ ۱ تا ۷

ازآں بعد زمانۂ اسلام میں آپ کے ایک لڑکا پیدا ہؤا جس کا نام آپ نے عبداللہ رکھا ۔ اسی کو ” طیب و طاہر“ بھی کہتے تھے* ۔ یہ تمام حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے ۔ جب قاسم کے بعد عبداللہ بھی وفات پا گئے تو عاص بن وائل سہمی نے کہا ” محمد کی نسل منقطع ہوگئی اس لئے وہ ابتر ہے ۔“ عبداللہ کے بعد حضرت خدیجہ سے اور کوئی اولاد نہ ہوئی ۔

۸ ھ میں حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ابراھیم پیدا ہوئے لیکن سترہ مہینے اور بعض روایات کے مطابق اٹھارہ مہینے کی عمر پا کر ۱۰ ھ میں فوت ہو گئے ۔

اس کے بعد لامنس رسول اللہ کی بیٹیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :

مؤرخین عرب ذکر کرتے ہیں کہ محمد کی دو بیٹیاں

* لامنس نے رسول اللہ کے بیٹوں کا ذکر کرتے ہوئے ایسی فاش غلطی کی ہے جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ۔ اُس نے ” طیب و طاہر “ کا نام دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ یہ دو مختلف بیٹوں کے نام ہیں حالانکہ دراصل یہ ایک ہی بیٹے کے دو نام ہیں ۔ اور اسی بنا پر اُس نے مؤرخین اسلام پر الزام لگا دیا کہ اُنھوں نے رسول اللہ کے بیٹوں کی تعداد میں خواہ مخواہ اضافہ کر دیا ہے ۔ ہمارے خیال میں اُسے حقیقت کا بخوبی علم ہے اور عمداً محض اعتراض کرنے کے لیے ایسا لکھ دیا ہے ۔ ہمارا یہ خیال اس وجہ سے ہے کہ ایسی ایسی غلطیاں تو مدارس کے بچوں سے بھی نہیں ہوتیں چہ جائیکہ ایسے شخص سے ہوں جسے بہت بڑا مؤرخ اور مستشرق ہونے کا دعویٰ ہو ۔

رقیہ اور ام کلثوم اپنے پیچھے کوئی اولاد چھوڑے بغیر وفات پا گئیں - ام کلثوم ان کی کنیت نہ تھی بلکہ اصلی نام تھا - وہ اور رقیہ اپنے والد کے چچا ابولہب کے دو بیٹوں سے بیاہی گئیں - لیکن ان دونوں نے بعد میں آنھیں طلاق دے دی - اس پر محمد نے رقیہ کی شادی عثمان بن عفان سے کر دی - اور رقیہ کی وفات کے بعد دوسری بیٹی ام کلثوم کو بھی ان کے عقد میں دے دیا۔

مؤرخین عرب کا یہ بھی بیان ہے کہ رقیہ ھجرت حبشہ میں شریک تھیں لیکن ھجرت مدینہ کے بعد ان کے والد نے آنھیں اپنے پاس بلا لیا لیکن آنھیں زیادہ دن تک زندہ رھنا نصیب نہ ھؤا اور عین اس دن ، جب مسلمان جنگ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ میں داخل ہو رہے تھے ، رقیہ وفات پاگئیں - ام کلثوم کا نام سیرت کی قدیم کتابوں میں صرف ایک بار آیا ھے - لیکن واقعہ یہ ھے کہ حقیقت میں ان دونوں بیٹیوں کا کوئی وجود نہ تھا - یہ سب مؤلفین سیرۃ نبوی کی من گھڑت روایات ھیں جو آنھوں نے محض اس لیے اختراع کر لی ھیں کہ محمد کی نسل کو زیادہ ثابت کیا جا سکے -

حضرت عثمان کے لقب ”ذوالقرنین“ کی وجہ تسمیہ کے بیان میں لامنس لکھتا ھے :

عرب اپنے ناموں کے ابتداء میں ذی اور ذو وغیرہ الفاظ کثرت سے استعمال کرتے تھے - چنانچہ ان لوگوں کے لقب عموماً اس طرح ہوتے تھے ، ذوالیدین (دو ھاتھوں والا) ذوالوجہین (دو چہروں والا) ذات النطاقین (دو پیٹیوں والا) - عثمان کا لقب بھی اسی طرح ذوالنورین

پڑ گیا تھا ۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی ، یہ لقب عثمان کو اس لیے دیا گیا تھا کہ رسول اللہ کی دو بیٹیاں ان کے عقد میں آئی تھیں ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ لقب انھیں پہلے ہی سے ملا ہؤا ہو۔

زینب

رسول اللہ کی پہلی بیٹی زینب کا ذکر کرتے ہوئے لامنس لکھتا ہے :

کتنے تعجب کی بات ہے ، زینب کی اولاد کو مؤرخین عرب اور دیگر مسلمانوں نے اس قدر گمنامی کی حالت میں ڈال دیا کہ آج ان کا نام بھی کوئی نہیں جانتا ۔ حیرت بالائے حیرت یہ کہ والد مکہ سے ہجرت کرتے ہیں لیکن بیٹی کو قریش کے رحم و کرم پر مکہ ہی میں چھوڑ جاتے ہیں ۔ چنانچہ یعقوبی لکھتا ہے " زینب اپنے خالہ زاد بھائی اور شوہر ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزی بن عبد شمس کے پاس رہیں ۔ ابوالعاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجہ کی بہن تھیں "۔ ان واقعات پر غور کرنے سے ہم یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتے کہ زینب نے از خود اپنے شوہر سے مفارقت اختیار کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے والد کے ساتھ ہجرت کرنے کے بجائے اپنے شوہر کے ساتھ مکہ میں رہنے کو ترجیح دی ۔ تاریخ طبری سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ وہاں مذکور ہے کہ ابوالعاص حالت شرک ہی میں زینب کے ساتھ رہے اور فتح مکہ سے بہت تھوڑا عرصہ قبل اسلام قبول کیا ۔

لامنس نے سیدھے سادے حقائق کو مسخ کر کے جو نتائج نکالے ہیں وہ حد درجہ افسوسناک ہیں - واقعہ یہ ہے کہ حضرت زینب کو اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی کیونکہ وہ ان سے غایت درجہ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور دیگر مشرکین سے ان کی پوری حفاظت کرتے تھے - اگر قریش بھی رسول اللہ اور مسلمانوں سے اسی قسم کا سلوک روا رکھتے ، جو ابوالعاص نے اپنی بیوی زینب سے روا رکھا تھا ، تو رسول اللہ کو مکہ سے ھجرت کرنے کی کبھی ضرورت ہی پیش نہ آتی اور آپ مکہ ہی میں رہ کر دین اسلام کی نشر و اشاعت میں مصروف رہتے -

حضرت زینب رسول اللہ کی سب سے بڑی لڑکی تھیں - آن کا نکاح حضور کے دعوائے نبوت سے قبل ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے ہؤا - دونوں میاں بیوی میں حد درجہ محبت تھی - جب جنگ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ہمراہ ابوالعاص بھی قید ہو گئے تو حضرت زینب نے ان کے فدیے میں کچھ چیزیں بھیجیں - ان چیزوں میں ایک ہار بھی تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ نے شادی کے موقع پر آنھیں جہیز میں دیا تھا - رسول اللہ نے جس وقت یہ ہار دیکھا تو آپ کا دل بھر آیا اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ چاھو تو خدیجہ کی امانت اس کی بیٹی کو واپس کر دو - یہاں کسے عذر تھا ، ہار واپس کر دیا گیا اور ابوالعاص رہا کر دیے گئے -

ابو العاص بحالت مجبوری جنگ میں شریک ہوئے تھے - ویسے ان کا دل رسول اللہ سے بالکل صاف تھا اور وہ آپ کی

بے حد عزت کرتے تھے - جس وقت مکہ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہونے شروع ہوئے تو کفار نے ابوالعاص پر زور ڈالا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں لیکن انھوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا - جب رسول اللہ نے انھیں قید سے رہائی بخشی تو ساتھ ہی شرط کر لی کہ وہ واپس جا کر زینب کو مدینہ بھجوا دیں گے - ابوالعاص نے شرط پوری کر دی اور زینب مدینہ پہنچ گئیں -

حضرت زینب مدینہ میں تھیں اور ابوالعاص بدستور شرک کی حالت میں بمقام مکہ مقیم تھے - رسول اللہ نے ان کے شرک کی وجہ سے نکاح فسخ کر دیا تھا - فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل ابو العاص تجارت کے لیے شام گئے - وہاں سے واپس آ رہے تھے کہ رسول اللہ کے ایک دستے سے ان کی مڈ بھیڑ ہو گئی - مسلمانوں نے کفار کے اونٹوں اور مال اسباب پر قبضہ کر لیا - ابو العاص کسی طرح بھاگ نکلے اور چھپتے چھپاتے مدینہ میں زینب کے پاس پہنچ گئے اور امن کے طالب ہوئے - زینب نے انھیں فوراً امان دے دی -

جب رسول اللہ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو زینب نے پکار کر کہا :

" لوگو ! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دے دی ہے - "

جب رسول اللہ نے یہ آواز سنی تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا :

" میں نے جو کچھ سنا ہے کیا تم نے بھی سنا ہے ؟ "

لوگوں نے جواب دیا "سنا ہے۔"

آپ نے فرمایا "اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے اس واقعے کا مطلق علم نہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مسلمانوں میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کو بھی کسی شخص کو پناہ دینے کا اختیار حاصل ہے۔"

یہ کہہ کر آپ اپنی بیٹی کے پاس آئے اور فرمایا:

"بیٹی! اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرو لیکن وہ تمہارے پاس آنے نہ پائیں کیونکہ اب تم دونوں کے تعلقات زوجیت کے نہیں۔"

زینب نے کہا "ابوالعاص در اصل اپنا مال اسباب لینے آئے ہیں۔"

رسول اللہ نے اُس دستے کے لوگوں کو، جنھوں نے ابوالعاص کا مال لیا تھا، جمع کیا اور فرمایا:

"اس شخص کے ہم سے جو تعلقات ہیں وہ تمھیں اچھی طرح معلوم ہیں۔ تم نے اس کا مال لے لیا ہے۔ اللہ نے وہ مال تمہارے لئے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ابوالعاص پر احسان کرو اور اسے اس کا مال واپس دے دو۔ اگر تمھیں اس سے انکار ہو تو میں تم پر کوئی جبر نہیں کر سکتا۔"

یہ سن کو لوگوں نے بالاتفاق عرض کی کہ حضور کی خوشی سے بڑھ کر ہمیں اور کوئی خوشی عزیز نہیں ہو سکتی۔ ہم ابوالعاص کا سارا مال واپس دے دیتے ہیں۔

چنانچہ اُنھوں نے ابو العاص کا سارا مال واپس دے دیا۔ وہ اسے لے کر مکہ آئے، اور لوگوں کو ان کی امانتیں

واپس کیں۔ اس کے بعد لوگوں سے پوچھا " کیا اب بھی میرے ذمے کسی شخص کا مال ہے؟"

لوگوں نے کہا " نہیں۔"

اس پر انھوں نے کہا " تو جان لو کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ رسول اللہ کے پاس واپس آ گئے۔ رسول اللہ نے نئے مہر کے بدلے ان کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا۔ ان کے بطن سے دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی، امامہ۔ علی تو صغر سنی ہی میں فوت ہو گئے۔ امامہ سے بعد میں حضرت علی بن ابی طالب نے شادی کی۔ رسول اللہ اس بچی سے بہت پیار کیا کرتے تھے۔ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اسے اپنے کندھے پر بٹھا لیتے۔ جب رکوع کرتے اسے کندھے سے اتار دیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو دوبارہ کندھے پر چڑھا لیتے۔

لامنس بھی حضرت زینب کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ان سے دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام علی تھا اور لڑکی کا نام ہالہ۔ علی بچپن ہی کے زمانے میں فوت ہو گئے لیکن ہالہ والدین کی وفات کے بعد عرصے تک زندہ رہیں*۔ وہ اس امر پر تعجب کا

* اکثر مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت زینب کی بیٹی کا نام امامہ تھا، البتہ چند ایک کا یہ خیال ہے کہ اس کا نام ہالہ تھا۔ لامنس نے مؤخرالذکر لوگوں کا قول اختیار کیا ہے۔

اظہار کرتا ہے کہ عاص کی دولت ہالہ کے پاس نہ رہی بلکہ ان کے والد کے چچیرے بھائی زبیر بن عوام کے پاس چلی گئی۔ اس نے ان کے معاصرین پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے ہالہ کی حق تلفی کرتے اور اس کا مال دوسروں کے قبضے میں جاتے دیکھا لیکن انہوں نے اس کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائی اور خاموش بیٹھے سارا ماجرا دیکھتے رہے۔

فاطمہ

حضرت فاطمہ کے وجود سے لامنس کو انکار یا شک نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ بلا شبہ فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی تھیں جو خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ لیکن ساتھ ہی وہ اس امر پر متعجب ہے کہ مؤرخین نے اس شخصیت کے حالات کے بارے میں بہت غفلت اور بے پروائی برتی ہے اور اپنے تذکروں میں ان کے بہت ہی کم حالات درج کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں تو فاطمہ کی شخصیت کو تقریباً نظر انداز ہی کر دیا گیا تھا لیکن جب شیعیت نے زور پکڑا تو حضرت علی کے ذکر کے ساتھ ساتھ فاطمہ کا ذکر بھی منظر عام پر آنے لگا۔

اصل میں مؤرخین سیرت نے حضرت فاطمہ اور آپ کی دوسری بہنوں کے ذکر میں اس بنا پر اجمال سے کام لیا ہے کہ ان لوگوں کے پیش نظر نبوت اور اسلام کی تاریخ لکھنے کا کام تھا۔ نبوت اور اسلام کو رسول اللہ کی بیٹیوں سے خصوصیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ وہ نہ تو کسی

جنگ میں شریک ہوئیں ، نہ کسی معرکہ میں حصہ لیا ، نہ رسول اللہ کی جاری کردہ سیاست اور شریعت میں ان کا کوئی ایسا عمل دخل تھا کہ مؤرخین کے لیے ان کا ذکر کرنا اور ان کے بسیط سوانح بیان کرنا ضروری ہوتا۔ اس لیے مؤرخین نے ان کا ذکر انھیں مقامات پر کیا ہے جہاں ذکر کرنا ضروری تھا ۔ انھوں نے کسی تعصب کی وجہ سے ایسا نہیں کیا بلکہ محض اس لیے کہ تاریخی واقعات غلط ملط نہ ہونے پائیں ۔

مؤرخین عرب، اور مستشرقین میں بھی، آپ کی اور آپ کی بہنوں کی ولادت کے بارے میں اختلاف ہے ۔ بعض نے انھیں رسول اللہ کی سب سے بڑی لڑکی قرار دیا ہے اور بعض نے اس کے خلاف لکھا ہے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ رسول اللہ کی سب سے چھوٹی لڑکی ہیں ۔ لامنس لکھتا ہے :

> بعض مؤرخین سیرت نے (جن کے نام اس نے نہیں لکھے) فاطمہ کی ولادت محض اس لیے بہت بعد میں بیان کی ہے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ جب علی بن ابی طالب نے ان کے لیے پیغام دیا تو وہ زیادہ عمر کو نہ پہنچی تھیں اور یہ بات ثابت نہ ہوسکے کہ آن کی شادی میں بہت زیادہ تاخیر ہوئی ۔ لیکن کسی نے اصلیت پر غور کرنے کی کوشش نہ کی ۔

مؤرخین کا اس امر پر اجماع ہے کہ حضرت زینب اور حضرت رقیہ کی شادیاں حضرت فاطمہ کی شادی سے پہلے ہو چکی تھیں ۔ حضرت رقیہ کی شادی ابولہب کے بیٹے وثنی سے ہوئی تھی اور یہ بات لازم ہے کہ یہ شادی نبوت

سے پہلے ہوئی تھی - جب حضور نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ کی مخالفت بڑھی تو اُس نے انھیں طلاق دے دی - اسی طرح آپ کی سب سے بڑی لڑکی حضرت زینب کا نکاح بھی حضرت فاطمہ سے پہلے ہو چکا تھا (اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کافروں سے مسلمان عورتوں کے نکاح کی ممانعت ہجرت کے بعد ہوئی - آیت تحریم مدینہ میں نازل ہوئی تھی -)

جیسا کہ اس سے قبل ہم ذکر کر چکے ہیں ، حضرت رقیہ کی شادی اپنی بڑی بہن حضرت زینب سے پہلے ہوئی تھی - اپنے پہلے شوہر سے طلاق آنھیں ہجرت حبشہ سے قبل ہی ہو چکی تھی - اس کے بعد حضور نے ان کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے کر دیا - جب حضرت رقیہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو ان کے دوسرے شوہر حضرت عثمان بھی ان کے ساتھ تھے* -

ابن کابی نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ کی ولادت حضرت رقیہ کی ولادت سے پہلے ہوئی تھی لیکن یہ درست نہیں - دوسرے مؤرخین مثلاً مقریزی ، ابن جوزی ، مؤلف تاریخ الخمیس وغیرہ† نے بھی رسول اللہ کی بیٹیوں کی ترتیب ولادت میں غلطی کھائی ہے - لیکن وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت فاطمہ رسول اللہ کی سب سے بڑی لڑکی نہ تھیں - ابن عبدالبر لکھتے ہیں :

* طبری جلد ۳ ، صفحہ ۲۴۳ - سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۲۱ و ۲۰۸ - مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۶۲ - مقریزی در باب بنات رسول اللہ

† مثلاً زہری اور ابن بکار

" زینب حضور کی سب سے بڑی لڑکی تھیں ۔ ان کے بعد فاطمہ پیدا ہوئیں*۔"

ولادت فاطمہ

حضرت فاطمہ کی ولادت کب ہوئی ؟ سنجر مؤلف کتاب " حیات محمد " آپ کی صحیح تاریخ ولادت کی ترتیب معین کرنے سے قاصر رہا ہے ۔ چنانچہ اس نے اس ضمن میں صرف اس قول پر اکتفا کی ہے :

غالباً مؤرخین سیرت نے فاطمہ کی عمر ایسی کتابوں اور مستندات سے لے کر لکھی ہے جو ہم تک نہیں پہنچیں † "۔

لامنس اس بیان کا مذاق آڑاتے ہوئے لکھتا ہے :

یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایسی مستندات پر اعتماد کیا جائے جو سرے سے موجود ہی نہ ہوں ۔

لیکن مؤرخین عرب میں گو حضرت فاطمہ کی عمر اور ان کے سال ولادت کے بارے میں اختلاف ہے تاہم ان میں سے اکثر نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ کی ولادت اس سال یا اس کے قریب ہوئی جس سال کعبہ کو ڈھا کر آسے نئے سرے سے بنایا گیا ‡ ۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ آپ کی ولادت نزول وحی کے بعد ہوئی ۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے ۔

* الاستیعاب صفحہ ۷۵۳، ۷۷۰ مطبوعہ حیدر آباد ہند

† حیات محمد از سنجر ، جلد اول ، صفحہ ۲۰۳

‡ طبری جلد ۳ ۔ ابن الجوزی

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ حضرت عائشہ سے پانچ سال بڑی تھیں* - مسعودی لکھتے ہیں کہ فاطمہ ہجرت سے آٹھ سال قبل پیدا ہوئیں اور ان کا نکاح حضرت علی سے اور رسول اللہ کی شادی حضرت عائشہ سے ہجرت کے چھٹے سال میں ہوئی -

لامنس لکھتا ہے :

اگر یہ قول صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فاطمہ کی ولادت کے وقت خدیجہ کی عمر ساٹھ سال کی تھی حالانکہ اس عمر میں عورت بچہ پیدا کرنے کے نا قابل ہو جاتی ہے - اس کے علاوہ متعدد مستند کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ خدیجہ کی وفات پچپن برس کی عمر میں ہوئی† -

اس پوری بحث پر نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت فاطمہ کی ولادت بلاشبہ نبوت سے پہلے ہوئی لیکن وہ بلوغت کو ہجرت سے چار یا پانچ سال پہلے پہنچی تھیں جب حضرت خدیجہ اپنی عمر کے پچپن سال پورے کر چکی تھیں - یہی رائے درست ہے - اسی پر مؤرخین کا اجماع ہے - اس کے علاوہ جو روایات ہیں وہ سب نا قابل اعتماد ہیں -

* تاریخ الخمیس ، جلد اول ، صفحہ ۳۱۳ - تاریخ یعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۹ - ابن حجر -

† مقاتل الطالبیین

فاطمہ شادی سے قبل

مؤرخین نے رسول اللہ کی قبل از اسلام زندگی پر زیادہ تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی - اس کا سبب ، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں ، یہ ہے کہ مؤرخین کا مقصد در اصل اسلام کی تاریخ بیان کرنا ہوتا ہے اسی لیے اُنھوں نے اُن واقعات کو ، جو براہ راست رسالت اور اسلام سے تعلق نہیں رکھتے ، بہت اجمال سے بیان کیا ہے - اس درمیانی عرصے میں اگر مؤرخین نے تفصیل سے کام لیا ہے تو صرف اس واقعے میں جس میں حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا ذکر آتا ہے -

جہاں تک رسول اللہ کی ابتدائی خانگی زندگی کا تعلق ہے اس کے متعلق مؤرخین مذکور کی کتابوں میں صرف یہ اشارہ ملتا ہے کہ بہت پر سکون تھی - اسی بیان سے رسول اللہ کی زندگی کے بہت سے پہلو نظر کے سامنے آ جاتے ہیں -

فاطمہ اپنے والد کے گھر میں

فاطمہ بھی اس عرصے میں اپنے والد کے ساتھ اطمینان اور سکون کی زندگی گزار رہی تھیں - لیکن لامنس اس زندگی کو بھی نہایت بھیانک صورت میں پیش کرتا ہے - چنانچہ وہ

لکھتا ہے :

فاطمہ کی شخصیت کے حقیقی خط و خال سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم خوشنما پردے چاک کر دیں جو مؤرخین نے ان کی شخصیت کے اردگرد تان رکھے ہیں اور آن کی زندگی پر تنقیدی اور مؤرخانہ نظرڈالیں ۔ اصل بات یہ ہے کہ فاطمہ کی اپنے والد اوز صحابہ کی نظروں میں وہ قدر و منزلت نہ تھی جو بالعموم محبوب اولاد کی اپنے والدین اور دیگر اعزہ و اقرباء کی نظروں میں ہوتی ہے ۔ فاطمہ کو اپنے والد کے گھر میں نہ قرار واقعی احترام حاصل تھا اور نہ حقیقی وقار ۔ پیغمبر کی بیویوں عائشہ ، حفصہ اور زینب وغیرہ کو گھر میں جو رتبہ حاصل تھا فاطمہ اس سے محروم تھیں ۔ ہم یہ بات بلا دلیل نہیں کہ رہے بلکہ تاریخی حقائق کا پوری طرح مطالعہ کرنے کے بعد بیان کر رہے ہیں ۔ سیرت کی قدیم کتابوں کے مطالعے سے ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ان میں عموماً فاطمہ کے ذکر سے اغماض برتا گیا ۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام جیسی ابتدائی اور مبسوط کتاب میں ان کا ذکر صرف دومرتبہ آیا ہے* ۔ حالانکہ اسی سیرت میں علی بن ابی طالب کا ذکر متعدد بار بالتفصیل آیا ہے ۔ کیا مؤلف سیرت کا فرض نہ تھا کہ وہ فاطمہ کا بھی تفصیل سے ذکر کرتا ، جو آس کے رسول کی صاحبزادی تھیں ۔ یہی حال ابن سعد کا بھی ہے ۔ اس نے اپنی "طبقات" میں علی کی سیرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی

* سیرت ابن ہشام ، صفحہ ۱۲۱ و ۲۷۶

ہے اگرچہ فاطمہ کے متعلق ایک باب ضرور مختص کیا ہے لیکن اس میں بھی ان کا ذکر چند سطروں ہی میں ہے* -

اہل بیت نبوی کی تعظیم و تکریم اور تقدیس کا جو جذبہ آج پایا جاتا ہے اس کی ابتدا مسلمانوں کی دوسری نسل سے ہوئی - اس وقت مؤرخین اور غیر مؤرخین نے فاطمہ کی شخصیت کو آجا گر کرنا اور ان پر تقدیس و اکبار کے پردے چڑھانے شروع کیے - لیکن اس دور میں بھی جو خصوصیت علی اور آن کی اولاد (جو فاطمہ کے بطن سے تھی) کو حاصل رہی ہے وہ فاطمہ بنت محمد کو حاصل نہ ہوئی -

ابوالفرج اصبہانی کی تالیف ''کتاب الاغانی'' میں بھی فاطمہ کا نام بہت کم جگہ آیا ہے - حالانکہ ابوالفرج علویین کی دوستی میں مشہور تھا - مسعودی مؤلف ''مروج الذہب'' اور یعقوبی ، یہ دو شخص ایسے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اپنی کتابوں میں فاطمہ کی شخصیت اور ان کے بلند مرتبے کو حقیقی طور پر آجاگر کیا ہے - بعد میں آنے والے مؤرخین نے بھی فاطمہ کے ذکر میں انھیں دو مؤرخوں کی پیروی کی -

اس جگہ ایک اور ضروری امر کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے - وہ یہ کہ خلفاء عباسیہ نے سلطنت ، فاطمہ اور علویین کا نام ہی لے کر حاصل کی تھی لیکن جب آنھین پوری طرح اقتدار حاصل ہو

* مسند احمدبن حنبل ، جلد ٦ ، صفحہ ٢٨٢

گیا تو اُنھوں نے علویین کا خون بہا کر اسی نام کو خون کے سمندر میں غرق کر دیا جس کی تفصیل "مقاتل الطالبیین" سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے ۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ مؤرخین نے رسول اللہ کے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت فاطمہ کو بہت حد تک نظر انداز کر دیا ہے ۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کہ اُنھوں نے عمداً ایسا کیا اور اُن کا حقیقی مقصد حضرت فاطمہ کے نام کو گم نامی کے پردے میں چھپانا تھا ۔ یہ بات صرف حضرت فاطمہ ہی سے خاص نہیں ۔ سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ کی ازواج مطہرات کا ذکر بھی آپ کی بیٹیوں اور بیٹوں سے زیادہ نہیں ۔ اس کی وجہ ، جیسا کہ ہم قبل ازیں متعدد بار بیان کر چکے ہیں ، یہ ہے کہ اُن مؤلفین کا مقصد اپنی کتابوں کی تالیف سے رسول اللہ کے وہ حالات درج کرنا ہے جن کا تعلق اسلام سے ہے ۔ رسول اللہ کے بیٹوں ، بیٹیوں اور بیویوں کا براہ راست اسلامی سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ اس لیے اُن کا ذکر ہمیں کم مقامات پر ملے گا ۔ یہی وجہ ہے کہ مؤرخین نے حضرت عائشہ صدیقہ کی زندگی کے وہی حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں جو رسول اللہ کی وفات کے بعد وقوع میں آئے جب مسلمانوں نے اُن سے دین اسلام اور حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا ۔ لہذا ہم مؤرخین کو مذکورہ بالا بزرگوں کے حالات کے بارے میں غفلت برتنے کی وجہ سے مورد الزام قرار نہیں دے سکتے ۔ نہ ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس طرح دین اور تاریخ میں زبر دست خلل پڑا ہے ۔ رسول اللہ کی خانگی زندگی نہایت پر سکون ہونے کے

باعث کسی تفصیل کی محتاج نہیں - صرف اسی ایک لفظ سے آپ کی خانگی زندگی کے تمام پہلو روشن ہو کر ہمارے سامنے آ جاتے ہیں -

یہ درست ہے، حضرت عائشہ صدیقہ کی سیرت و سوانح کے متعلق اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ کی دیگر بیویوں اور بیٹیوں کے متعلق نہیں لکھا گیا ، لیکن اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ کی زندگی میں بعض ایسے واقعات پیش آ گئے جن کی بنا پر آپ کی شخصیت کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی - اس صورت میں اگر آپ کی شخصیت اور سیرت کو نظر انداز کر دیا جاتا تو تاریخ اسلام کا ایک پورا باب لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتا - لیکن حضرت فاطمہ کی زندگی میں کوئی ایسا اہم واقعہ پیش نہ آیا - آپ کی پوری زندگی ایک سطح پر قائم رہی - اور آپ نے سارا عرصہ اطمینان و سکون سے گزارا ، جس کے بارے میں مؤرخین کو تفصیل و ایضاح اور بحث و تمحیص میں جانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی -

فاطمہ سے رسول اللہ کی محبت

گو حضرت فاطمہ کے اس عہد کی ، جب آپ اپنے والد کے گھر میں پروان چڑھ رہی تھیں ، کوئی تفصیل نہیں ملتی پھر بھی واقعات و شواھد کی بنا پر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ رسول اللہ کی اُلفت و محبت سے کامل طور پر بہرہ ور تھیں - آپ رسول اللہ کی سب سے چہیتی بیٹی تھیں اور شکل و صورت اور اخلاق و عادات میں

آپ سے مشابہ تھیں - اس محبت کا سبب وہ خدمت تھی جو حضرت فاطمہ آپ کے لیے انجام دیا کرتی تھیں - حضرت خدیجہ بوڑھی ہو چکی تھیں اور زیادہ تندھی سے آپ کی خدمت نہ کر سکتی تھیں - حضرت فاطمہ نے یہ کمی پوری کر دی تھی -

حضرت فاطمہ سے رسول اللہ کی محبت کا صحیح حال آپ کے اُن اقوال سے معلوم ہوسکتا ھے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اُن کے متعلق ارشاد فرمائے - چنانچہ آپ فرماتے ھیں :

" اے فاطمہ ! جس شخص سے تو ناراض ھو گی ، اللہ بھی اُس سے ناراض ھوگا اور جس شخص سے تو راضی ھوگی اللہ بھی اُس سے راضی ھو گا - "

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا :

" فاطمہ مجھ سے ھے - جو شخص اُسے تکلیف پہنچائے گا وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا اور جو شخص اُسے راحت پہنچائے گا وہ مجھے راحت پہنچائے گا - "

آپ کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا ایک قول بھی یاد رکھنے کے قابل ھے - آپ فرماتی ھیں :

" میں نے والد فاطمہ کے سوا فاطمہ سے افضل اور کوئی شخصیت نہیں دیکھی - "

فاطمہ کا نام عربوں کے لیے نامانوس اور نیا نہ تھا - ابوطالب کی بیوی اور حضرت علی کی والدہ کا نام بھی فاطمہ تھا اور یہ بزرگ خاتون بھی رسول اللہ کی مدد کرنے میں اپنے شوھر حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ سے کم نہ تھیں - حضرت ابو طالب کے بعد آپ ھی کی ذات رسول اللہ کے لیے باعث تسکین تھی - جب تک رسول اللہ مکہ میں

تشریف فرما رہے ، اُنھوں نے اپنی بے نظیر شفقت اور اُلفت کے باعث ان ایذاؤں کے احساس میں بہت حد تک کمی کر دی جو کفار کے ھاتھوں سے آپ کو پہنچتی تھیں - جب آپ ھجرت کر گئے تو آپ کے بعد وہ بھی مدینہ آ گئیں - رسول اللہ کو اُن کی خدمت اور شفقت و اُلفت کا اس قدر پاس تھا کہ ان کی وفات کے بعد آپ نے اپنے کپڑوں میں اُنھیں کفن دیا اور خود قبر میں اُتر کر اُنھیں لٹایا - یہ دیکھ کر بعض صحابہ نے آپ سے پوچھا :

" یا رسول اللہ ! یہ کیا بات ھے کہ آپ نے ان سے وہ سلوک کیا ھے جو آج تک کسی سے نہیں کیا ؟"

آپ نے فرمایا :

" یہ ابو طالب کے بعد میری سب سے زیادہ ھمدم اور محمد پر سب سے زیادہ مہربان اور شفیق رھی ھیں -"

حضرت خدیجہ کی وفات نے رسول اللہ سے ایک ایسی ھستی کو جدا کر دیا جو آپ کی سب سے زیادہ رفیق و غمگسار اور مونس و ھمدرد تھی اورجس نے اپنی جان اور مال سب کچھ آپ کے لیے قربان کر دیا - فاطمہ اس وقت بچی ھی تھیں - آپ کو والدہ کے چھوٹ جانے کا رنج جتنا بھی ھوتا کم تھا - ان کے رنج و غم میں اُس وقت اور بھی اضافہ ھو جاتا تھا جب وہ اپنے والد کو اُداسی اور غمگینی کی حالت میں دیکھتی تھیں - اُس وقت اُنھیں اس بات کا احساس ھوتا تھا کہ اُن پر ایک عظیم مصیبت آن پڑی ھے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ھو جاتے * - بچپن کے

* المسعودی

زمانے کے اس صدمۂ عظیمہ ہی کا اثر تھا کہ بعد میں بھی ان کے چہرے پر ہر وقت اداسی چھائی رہتی تھی۔ اسی سے مستشرقین یورپ یہ استدلال کرتے ہیں کہ فاطمہ ہر وقت غمگین اور اداس رہتی تھیں اور یہ غمگینی اور اداسی کسی وقت اور کسی لحظہ بھی ان سے دور نہ ہوتی تھی*۔ وہ پہلے ہی فطرتاً کمزور جسم کی تھیں۔ اس رنج و الم نے اُن کی صحت کو اور بھی نقصان پہنچایا۔ صحت کی کمزوری اور رسول اللہ کی حد درجہ شفقت ہی کا اثر تھا کہ آپ نے اُنھیں گھر کے کاموں میں زیادہ حصہ لینے سے منع فرمادیا تھا تاکہ محنت اور تھکاوٹ کی وجہ سے صحت زیادہ کمزور نہ ہو جائے †۔

لامنس کو حضرت فاطمہ کی ذکاوت و فطانت سے بھی انکار ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

چونکہ مؤرخین نے فاطمہ کے ذکر میں بہت اجمال سے کام لیا ہے اس لیے لا محالہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ ذکاوت و فطانت، دور اندیشی اور حسن بصیرت میں عائشہ سے بہت کم تھیں۔

لیکن لامنس کی یہ بات سراسر غلط ہے۔ کیونکہ آپ سے رسول اللہ کی بے حد محبت کا ایک سبب آپ کی ذکاوت و فطانت، علم اور حسن بصیرت بھی تھا۔ رہا یہ سوال کہ اگر وہ ایسی ہی صاحب فہم و ذکاء خاتون تھیں تو

* فاطمہ بنت محمد از لامنس

† الاغانی، جلد ۱۱، صفحہ ۱۶۴ - الطبری - صحیح البخاری - مسند امام احمد بن حنبل

مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اُن کا ذکر کیوں نہیں گیا تو جیسا کہ پہلے بھی ہم بارھا کہ چکے ھیں اس کی وجہ صرف یہ ھے کہ مؤرخین نے رسول اللہ کے خاندان اور آپ کی بیویوں اور بیٹیوں کے متعلق بہت کم اپنی کتابوں میں لکھا ھے اور صرف اسی جگہ اُن کا ذکر کیا ھے جہاں اُن کا تعلق براہ راست اسلامی سیاست اور دین اسلام سے تھا -

حضرت فاطمہ کی شادی

حضرت فاطمہ کی شادی میں دیر کیوں ہوئی؟

لامنس کے گذشتہ اقتباسات سے بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت فاطمہ کے متعلق اُس نے اپنی کتاب میں کیا کیا گوہر افشانیاں کی ہیں۔ اُس نے جا بجا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فاطمہ کی ہم عصر عورتوں میں اُن کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی، وہ دن رات حزن و الم کی حالت میں زندگی بسر کرتی تھیں۔ علاوہ بریں شکل و صورت کی بھی اچھی نہ تھیں اور یہی عیوب اُن کی شادی میں تاخیر کا باعث ہوئے۔ گو رسول اللہ کے اصحاب آپ کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے، لیکن فاطمہ کی شادی کا پیغام کہیں سے نہ آتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "مدت دراز تک کنواری عورتوں کا والدین کے گھر میں بیٹھے رہنا عربوں کے نزدیک معیوب سمجھا جاتا تھا اور جو عورت اُس قسم کی ہوتی تھی اُس کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ اُس میں ضرور کوئی ایسا نقص ہے جس کی وجہ سے اُس کا پیغام کہیں سے نہیں آتا۔"

لامنس کی یہ توجیہات اور آراء سراسر گمراہی پر مبنی ہیں۔ اور اُس نے واقعات متذکرۂ بالا سے جو نتائج اخذ

کیے ھیں وہ بالکل غلط ھیں کیونکہ وہ لڑکیاں جن کی شادیاں دیر میں ھوتی ھیں اُن کے متعلق مسلمانوں میں عموماً یہ سمجھا جاتا ھے، وہ عقلمندی، ذکاوت و فطانت اور اخلاق و عادات میں اس قدر بڑھی ھوئی ھوں گی کہ والدین کو اُنھیں اپنے سے جدا کرنا بہت شاق گزرتا ھوگا۔ معلوم ھوتا ھے کہ لامنس نے یہ حکم اپنے اُن مشرق عیسائی بھائیوں کے عادات و اطوار کو دیکھ کر لگا دیا جن میں اُس نے زندگی گزاری ھے حالانکہ اُن کی اور مسلمانوں کی عادتوں میں زمین آسمان کا فرق ھے۔ سچی بات یہی ھے کہ حضرت فاطمہ کی شادی میں دیر اس لیے ھوئی کہ رسول اللہ کو اُن سے بے حد محبت تھی۔ وہ ھر وقت گھر کے کام کاج میں لگی رھتی تھیں، اس لیے رسول اللہ دل سے چاھتے تھے کہ فاطمہ اُن سے جدا نہ ھوں اور اپنے والد کے گھر میں اپنی والدہ کی قائم مقام بن کر رھیں۔

اسی مناسبت سے لامنس رسول اللہ کی غریبی اور تنگدستی کا ذکر بھی کرتا ھے اور لکھتا ھے ان کی غریبی کا یہ حال تھا کہ فاطمہ کو جہیز میں کوئی چیز نہ دے سکے جسے وہ اپنے خاوند کے گھر لے جاتیں۔ یہ ذکر کرنے کے بعد وہ پوچھتا ھے کہ "اُس وقت خدیجہ کی دولت کہاں چلی گئی تھی؟ حالانکہ اُس مال و دولت کی کوئی حد نہ تھی۔" لیکن وہ فراموش کر گیا کہ خدیجہ کے پاس اتنی دولت نہ تھی کہ شادی سے خاصی مدت بعد تک بھی جوں کی توں باقی رھتی، اس حالت میں کہ اُنھیں اپنے بچوں اور بچیوں کی پرورش کرنی ھوتی تھی، گھر کا خرچ چلانا ھوتا تھا اور مسکینوں، غریبوں اور محتاجوں پر

مال کثیر خرچ کرنا ہوتا تھا ۔ اس مال کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کی تکالیف دور کرنے میں بھی خرچ ہو جاتا تھا ۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ رسول اللہ نبوت ملنے کے بعد ہر لمحہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہتے تھے اور تجارت کے لیے کوئی وقت نہ نکال سکتے تھے ۔ اسی ذکر کی مناسبت سے یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ سیرت کے کسی ایک بھی مؤرخ نے اپنی کتاب میں اس امر کا ذکر نہیں کیا کہ رسول اللہ اور حضرت خدیجہ شادی کے بعد تجارت کے کام میں مشغول رہے تھے ۔ اس صورت میں لامنس کے اعتراض کا جواب صاف ہے کہ رسول اللہ اور ان کی زوجۂ محترمہ اپنی زوجیت کے پچیس سال میں وہی مال خرچ کرتے رہے جو حضرت خدیجہ کے پاس موجود تھا ۔ لیکن یہ مال اتنا زیادہ نہ تھا کہ سالہا سال تک باقی رہتا اور رسول اللہ کی ساری عمر یہی مال خرچ کرتے بسر ہوتی ۔

فاطمہ کا نکاح

جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں رسول اللہ دل سے چاہتے تھے کہ فاطمہ آن کے گھر ہی میں رہیں ۔ جب آن کی عمر اٹھارہ برس کی ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق نے رسول اللہ کی خدمت میں درخواست کی کہ فاطمہ کو آن کی زوجیت میں دے دیا جائے ۔ آپ نے فرمایا :

”ابو بکر ! جو اللہ کو منظور ہو گا وہی عمل میں آئے گا ۔“

اس کے بعد حضرت عمرفاروق نے پیغام دیا ۔ رسول اللہ

نے آنھیں بھی وھی جواب دیا جو حضرت ابو بکر کو دے چکے تھے* ۔ اس اثناء میں حضرت علی بن ابی طالب بہت غریبی اور افلاس کی زندگی بسر کر رھے تھے ۔ وہ بھی حضرت فاطمہ سے شادی کرنا چاھتے تھے ۔ فاطمہ اور وہ دونوں رسول اللہ کے تربیت یافتہ تھے ۔ حضرت علی دوسرے لوگوں سے زیادہ فاطمہ کی طبیعت ، ذکاوت ، اخلاق وعادات اور علو مرتبت سے واقف تھے لیکن ڈرتے تھے کہ کہیں آپ آنھیں بھی اسی طرح جواب نہ دے دیں جس طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو دے چکے تھے ۔ لیکن آنھیں ان اسباب کا علم نہ تھا جن کی بنا پر آپ نے آن دونوں کو جواب دیا تھا ۔ در اصل آپ یہ چاھتے تھے کہ فاطمہ کے لیے کوئی ایسا نوجوان تلاش کریں جو آن کے حد درجہ مددگاروں اور اھل بیت میں سے ھو ۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رسول اللہ کو فاطمہ سے بے حد آلفت اور محبت تھی اور آپ چاھتے تھے کہ وہ ان سے جدا نہ ھوں بلکہ ھمیشہ نظروں کے سامنے رھیں ۔ اسی لیے آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو جواب دے دیا تھا ۔

اسی اثناء میں بنو ھاشم کے لوگ اور انصار میں سے چند خیر خواہ حضرت علی کے پاس آئے اور آن سے پوچھا کہ وہ فاطمہ کے لیے اپنا پیغام کیوں نہیں دیتے ؟ آپ نے فرمایا :

" ابو بکر اور عمر سے انکار کے بعد اب مجھے کیا

* الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۲ ۔ انساب الاشراف از بلاذری

اُمید ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ میری درخواست قبول فرما لیں گے ؟"

خیر خواہوں نے اُنھیں سمجھایا " تم رسول اللہ کے قریبی عزیز ہو، حضور تم سے بے حد محبت کرتے ہیں اور تم نے حضور ہی کے گھر میں پرورش پائی ہے اس لیے حضور تمہاری درخواست رد نہ فرمائیں گے۔

چنانچہ حضرت علی دھڑکتے ہوئے دل سے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کر کے خاموش بیٹھ گئے، کوئی بات نہ کی۔

رسول اللہ : " علی ! کیوں کر آنا ہؤا ؟"

حضرت علی نے کہا " میں فاطمہ کے لیے درخواست کرنے آیا ہوں۔"

اس پر آپ نے یہ فرمایا " مرحباً و اھلاً " (خوش آمدید) اس کے سوا اور کچھ نہ کہا اور بالکل خاموش رہے۔

اس پر حضرت علی کو اور زیادہ اضطراب پیدا ہؤا اور وہ حیران و پریشان واپس آ گئے۔

لوگوں نے پوچھا " کیا بنا ؟"

اُنھوں نے جواب دیا :

" مجھے تو بالکل معلوم نہیں کہ میری درخواست کا کیا نتیجہ ہؤا۔ میں نے رسول اللہ سے اس معاملے کے متعلق بات چیت کی تھی۔ آپ نے سن کر صرف یہ فرمایا 'مرحباً و اھلاً'۔"

لوگوں نے کہا " اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ نے تمہاری درخواست قبول فرما لی ہے۔ تمھیں کسی فکر کی ضرورت نہیں۔"

علی بن ابی طالب

کتب سیرت میں نبوت سے قبل حضرت علی کی زندگی کے بہت کم واقعات ملتے ہیں - زیادہ سے زیادہ ہم اُن کے متعلق جو جانتے ہیں وہ یہ ھے کہ آپ نے رسول اللہ کے گھر میں پرورش پائی اور اُن کے اخلاق میں بالکل رنگے گئے - آپ کی ساری ابتدائی زندگی رسول اللہ ، حضرت خدیجہ اور آپ کی بیٹیوں کے سامنے گزری - وہ بچپن میں رسول اللہ کے بچوں کے ساتھ ھی کھیلا کرتے تھے -

لامنس کو اس امر پر بے حد تعجب ھؤا ھے کہ ابو طالب نے جیتے جی اپنے لڑکے کو اپنے بھتیجے کے سپرد کس طرح کر دیا کہ وہ اُس کی پرورش کرے اور نگہداشت رکھے - لیکن وہ یہ بھول گیا کہ رسول اللہ نے خود بھی ابو طالب کے گھر میں پرورش پائی تھی - اور ابوطالب نے باوجود سخت تنگی اور غریبی کے اپنے بیٹوں سے بڑھ کر اُن کی پرورش کی اور اُن کی ھر طرح کی ضروریات کا خیال رکھا - حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد جب رسول اللہ کی مالی حالت کچھ اچھی ھو گئی تو آپ نے اپنا فرض سمجھا کہ ابو طالب کا بوجھ ھلکا کیا جائے اور اُن کے ایک بیٹے کو لے کر خود پرورش کیا جائے - سو آپ نے علی کو اپنے چچا سے لے کر پرورش کرنا شروع کیا اور اس طرح اپنے چچا کے احسانات اور شفقت و محبت کا کچھ بدلہ اُتارنا چاھا -

حضرت علی کی شجاعت اور جرأت و ھمت سے لامنس کو

انکار نہیں ۔ لیکن وہ اپنی عادت کے مطابق یہ پوچھتا ہے کہ علی کو جنگی تربیت اور جرأت و بہادری کس طرح حاصل ہوئی جب آپ نے ایک ایسی گھریلو زندگی بسر کی جہاں دوڑنے بھاگنے ، جنگ و جدل میں شریک ہونے اور دشمنوں کے مقابلے میں آنے کا سوال ھی پیدا نہ ہوتا تھا ۔ لیکن وہ یہ امر نظر انداز کر گیا کہ جرأت و شجاعت اُن صفات میں سے ھیں جو انسان کے اندر فطرتاً ودیعت کی جاتی ھیں ۔ اُن کے لیے درس و تدریس اور مشق و مزاولت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی ۔ ان باتوں کے با وجود یہ امر بعید نہیں کہ حضرت علی اپنے چچاؤں اور چچیرے بھائیوں کے ساتھ بچپن کے زمانے میں دوڑنے بھاگنے اورگھوڑے کی سواری میں حصہ لیتے ہوں ، خصوصاً جب یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اُس زمانے میں آپ کے پاس ایک گھوڑا تھا جس پر سوار ہو کر آپ مکہ کی وادیوں اور گھاٹیوں کا چکر لگایا کرتے تھے ۔ اسی چیز سے آپ میں یہ قوت و طاقت ، بہادری اور جرأت ، شجاعت اور دلیری کی صفات پیدا ہو گئیں جن کا اظہار زمانۂ اسلام کی جنگوں میں پورے طور پر ہؤا ۔

حضرت علی بھی اپنے والد کی طرح غریب اور مفلس تھے ۔ اُن کی آمدنی کا کوئی خاص ذریعہ نہ تھا ۔ اُس زمانے میں عموماً قریش تجارت میں مشغول رھتے تھے لیکن حضرت علی اس سے بھی محروم تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو جنگ بدر تک شادی کرنے کا خیال نہ آیا ۔ اس جنگ میں آپ کو کچھ مال ملا جس کی وجہ سے آپ کی حالت قدرے بہتر ہوگئی ۔ چنانچہ آپ نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر

ہو کر فاطمہ سے شادی کی درخواست کی ۔ کوئی تعجب نہیں کہ آپ نے اس جنگ سے پہلے بھی رسول اللہ سے اس قسم کی درخواست کی ہو (چنانچہ مؤرخین کا یہی خیال ہے) اور انتظار کرتے رہے ہوں ، کب ان کی مالی حالت درست ہو اور وہ اپنے گھر کو اس قابل بنا سکیں کہ وہ ایک دلھن کے شایان شان ہو سکے ۔

رسول اللہ کی یہ عادت تھی کہ جب آپ اپنی کسی بیٹی کی شادی کرنا چاھتے تو اس کے پاس تشریف لے جاتے اور اونچی آواز سے فرماتے :

" فلاں نے تمھیں پیغام دیا ہے "۔

اگر لڑکی بدستور خاموش رہتی اور اپنی زبان سے کوئی لفظ نہ نکالتی تو آپ سمجھ لیتے کہ لڑکی راضی ہے ۔ لیکن اگر وہ دروازہ کھٹکھٹاتی تو اسے آپ اس کے انکار پر محمول کرتے اور خیال کر لیتے کہ لڑکی کی مرضی اس جگہ شادی کرنے کی نہیں* ۔

حضرت فاطمہ کی مرضی بھی آپ نے اسی طرح معلوم کرنی چاھی ۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت علی کے پیغام کا ذکر کیا ۔ وہ بالکل خاموش رہیں † ۔ اس پر آپ نے سمجھ لیا کہ وہ راضی ہیں ۔

لیکن لامنس نے تمام مؤرخین کے متفقہ قول کے بالکل بر عکس یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فاطمہ کا سکوت در اصل حیرت و استعجاب کے مترادف تھا اور اس سے یہ سمجھنا

* مسند امام احمد بن حنبل ، جلد ۲ ، صفحہ ۷۸

† تاریخ الخمیس، جلد اول، صفحہ ۴۰۷۔ طبقات الصحابہ جلد ۱۲ ، صفحہ ۸

درست نہیں کہ وہ علی سے نکاح پر راضی تھیں - وہ لکھتا ہے :

اصل بات یہ تھی ، فاطمہ یہ خیال کرتی تھیں کہ اتنی مدت گزر جانے کے بعد اب کون شخص اُن سے نکاح کی درخواست کر سکتا ہے ؟ چنانچہ وہ اپنی شادی سے بالکل مایوس ہو چکی تھیں -

لیکن آگے چل کر خود ہی ایک ایسی روایت درج کرتا ہے جو اس پہلی بات کے بالکل برعکس ہے اور وہ یہ کہ :

جونہی اُنھوں نے رسول اللہ کی زبان سے علی کا ذکر سنا وہ چیخ اُٹھیں اور اُن کے ساتھ شادی کرنے سے صاف انکار کرتے ہوئے کہا ”آپ میری شادی ایک فقیر اور غریب آدمی سے کرنا چاہتے ہیں -“ یہ کہہ کر وہ رو پڑیں - رسول اللہ اُنھیں تسلی دیتے اور علی کی کی صفات حمیدہ کا ذکر کرتے رہے - بالآخر آپ نے یہ فرمایا ”علی دنیا میں مومنوں کے سردار ہیں اور آخرت میں بھی وہ مومنوں کے سردار ہی ہوں گے - وہ میرے تمام صحابہ میں علم و فضل اور حلم میں بڑھے ہوئے ہیں - اسلام قبول کرنے میں بھی سب سے پہلا نمبر اُنھیں کا ہے -“

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ لامنس اور اسی طرح بعض مستشرقین نے بلاذری کی یہ روایت درج کرنے میں کیا مصلحت سمجھی ہے حالانکہ دیگر تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی کی شادی انتہائی خوش

اسلوبی اور حسن و خوبی سے انجام پائی اور حضرت فاطمہ کی طرف سے کسی بھی موقع پر اظہار نا پسندیدگی نہ ہؤا ۔ بلاذری نے یہ روایت یقیناً اُن لوگوں سے لی ہے جن کا مقصد اس قسم کی بے سرو پا روایات بیان کرنے سے حضرت علی کی شان کو گھٹا کر پیش کرنا ہے ۔

اگر عقل کی روشنی میں بھی اس روایت کو دیکھا جائے تو اس کے بے بنیاد ہونے میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا ۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت علی کی غریبی اور فقر و فاقہ پر اعتراض کرتیں جب خود رسول اللہ فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے تھے ۔ مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ رسول اللہ کے خاندان کو بالعموم پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملتا تھا ۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کیونکہ حضرت خدیجہ کی دولت ھجرت سے پہلے ھی ختم ہو چکی تھی ۔ رسول اللہ اور حضرت خدیجہ، دونوں غریبوں ، مفلسوں اور کمزوروں کی مدد کے لیے دل کھول کر خرچ کیا کرتے تھے ۔ حضرت خدیجہ کے پاس قارون کا خزانہ تو تھا نہیں جو مدت دراز تک باقی رہتا ۔ فاطمہ خود بھی اپنے والد کی غریبی سے واقف تھیں اور بخوبی جانتی تھیں ، ھمیشہ سے رسول اللہ کی یہ خواھش رھی تھی کہ آپ کے پاس اتنا مال ھوتا جسے آپ محتاجوں اور غریبوں پر خرچ کر سکتے ۔

اس صورت حال کی موجودگی میں ہم یہ روایت کیونکر قبول کر سکتے ھیں جب حضرت فاطمہ کو معلوم تھا کہ علی بھی انھیں کی طرح غریب ھیں ۔ پھر وہ حضرت علی

کے مناقب ، اُن کے علم و فضل ، اُن کے ساتھ رسول اللہ کی غایت درجہ محبت سے خوب واقف تھیں اور اُنھیں پتا تھا کہ انکار کی صورت میں رسول اللہ کو خوشی نہ ہوگی -

رسول اللہ اور حضرت علی

حضرت علی کے پیغام دینے سے کچھ دن بعد رسول اللہ نے اُنھیں بلایا - جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا :

" کیا تمھارے پاس بیوی کو دینے کے لیے کچھ ہے ؟"

حضرت علی نے کہا " رسول اللہ ! میرے پاس سوا ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے جو مجھے بدر کی غنیمت سے حاصل ہوئی تھی اور کچھ نہیں -"

آپ نے فرمایا " زرہ بیچ دو اور جو قیمت حاصل ہو اُس سے دلھن کا سامان تیار کرو -"

چنانچہ حضرت علی زرہ لے کر بازار گئے اور حضرت عثمان بن عفان کے ہاتھ چار سو ستر درہم میں بیچ دی - یہ رقم چادر میں باندھ کر آپ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا :

" رسول اللہ ! یہ زرہ کی قیمت ہے -"

رسول اللہ نے کچھ درہم ہاتھ میں لیے اور اُنھیں بلال کو دے کر فرمایا کہ بازار جاؤ اور خوشبوئیں اور عطر خرید لاؤ - باقی رقم حضرت علی کو دے دی کہ وہ اس سے شادی کا سامان تیار کریں -

شادی

جب سارا سامان تیار ہو گیا تو رسول اللہ نے صحابہ کو جمع فرمایا اور اُن کے سامنے مندرجۂ ذیل خطبۂ نکاح پڑھا:

" اللہ کا شکر ہے جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے تعریف کے قابل ہے اور اپنی قدرتوں کی وجہ سے عبادت کے لائق ہے۔ اُس کا اقتدار ہر جگہ قائم ہے۔ اُس کا حکم زمین و آسمان میں نافذ ہے۔ اُس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے بنایا۔ اپنے احکام کے ذریعے سے اُنھیں آپس میں علحدہ علحدہ کیا۔ اُنھیں اپنے دین کے ذریعے سے عزت بخشی اور اپنے نبی کے ذریعے سے سر بلند کیا۔ بے شک اللہ نے شادی بیاہ کو ایک لازم امر قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے وھوالذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسباً و صھراً وکان ربک قدیرا (وہی ذات پاک ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور بعض کو بعض کا بیٹی بیٹا اور داماد بنایا اور تیرا رب ہر چیز پر قادر ہے) اللہ نے قضا و قدر کو کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ قضا و قدر کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر چیز اپنے وقت ہی پر پوری ہوتی ہے۔

"میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کا نکاح علی سے چار سو مثقال سونے کے عوض کر دیا ہے۔"

خطبے سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دعا مانگی کہ اللہ جانبین کے اس نئے رشتے کو اُن کے لیے اور اُن کی ہونے والی اولاد کے لیے مبارک بنائے۔ دعا کے بعد آپ نے کھجوریں لانے کا حکم دیا اور اُنھیں حاضرین کے سامنے رکھ کر فرمایا " کھاؤ۔"

اس طرح محفل نکاح ختم ہوئی اور حاضرین اس نئے جوڑے کے لیے سعادت ، برکت اور پاک اولاد کی دعا مانگتے ہوئے رخصت ہو گئے ۔ رسول اللہ نے ام ایمن کو بلایا اور فرمایا کہ وہ فاطمہ کو اپنے ہمراہ علی کے گھر لے جائیں اور ان سے کہ دیں کہ میں بھی ابھی آتا ہوں ۔

چنانچہ ام ایمن حضرت فاطمہ کو حضرت علی کے گھر لے گئیں ۔ رسول اللہ نے اس دوران میں عشاء کی نماز ادا فرمائی ۔ اس کے بعد حضرت علی کے گھر تشریف لے گئے ۔ آپ کے دست مبارک میں ایک مشک تھی ۔ گھر پہنچ کر آپ نے قرآن کریم کی آیات تلاوت کیں اور فاطمہ کے لیے دعا کی ۔ اس کے بعد زوجین کو وضو کرنے اور اسی برتن سے پانی پینے کا حکم دیا اور تھوڑا سا پانی لے کر دونوں پر چھڑکا ۔ جب آپ نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت فاطمہ رونے لگیں ۔ آپ نے انھیں دلاسا دیا اور فرمایا :

” اے میری بیٹی ! میں نے تجھے ایسے شخص کے پاس امانت چھوڑا ہے جو دوسرے انسانوں سے ایمان میں زیادہ قوی ہے ۔ اس کا علم دوسروں سے زیادہ ہے اور جو اپنے اخلاق و عادات کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کا حامل ہے ۔ “

حضرت فاطمہ کا رونا صرف رسول اللہ سے جدائی اور اپنا گھر چھوڑنے کی وجہ سے تھا ، حضرت علی سے نفرت اور ناراضی کی وجہ سے نہ تھا ۔

شادی کی تاریخ کے متعلق مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ جنگ بدر کے بعد ہوئی ۔ اس وقت حضرت فاطمہ اپنی عمر کے اٹھارھویں اور حضرت علی پچیسویں سال میں تھے ۔

لامنس لکھتا ہے :

علی بھی اپنی بیوی فاطمہ کی طرح بد صورت اور ٹھنگنے قد کے تھے ۔ ٹھنگنا قد عربوں میں عیب سمجھا جاتا تھا ۔ وہ لوگ لمبا قد پسند کرتے تھے اور جو لوگ لمبے قد کے ہوتے تھے وہ دوسروں کے سامنے فخریہ اپنے لمبے قد کا اظہار کرتے تھے ۔ علی کا سینہ پیٹ پر جھکا رهتا تھا ۔ کولے نکلے ہوئے تھے اور بازو منحنی سے تھے ۔ چنانچہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں علی کا حلیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُن کی ناک چپٹی اور بازو پتلے تھے ۔ اسی طرح ایک عورت نے پہلی بار علی کو دیکھ کر یہ کہا تھا :

" یہ شخص تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے لکڑی کے ٹوٹنے کے بعد اُسے جوڑا گیا ہو ۔"

حقیقتاً یہ فقرہ کسی عورت نے نہیں بلکہ منذر بن جارود نے اُس وقت کہا تھا جب وہ حضرت علی کے لشکر کو کوفہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا ۔ اس لشکر کے داخلے کی کیفیت بیان کرتا ہؤا وہ کہتا ہے :

" اس کے بعد فوج کے دستے اور جھنڈے آنے شروع ہوگئے جو نیزے ہلاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے ۔ پھر ایک ایسا دستہ آیا جس میں بے شمار آدمی تھے ۔ وہ سب کے سب زرہیں پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ہتھیار چمک رہے تھے ۔ اس دستے میں متعدد علم تھے اور اس کے آگے آگے ایک ایسا شخص جا رہا تھا جو اُس لکڑی کی مانند تھا جسے ٹوٹنے کے بعد دوبارہ جوڑا گیا ہو ۔"

ابن عائشہ کہتا ہے کہ یہ محاورہ ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو مضبوط بازو کا مالک ہو اور اس کی نظر سامنے سے زیادہ نیچے زمین پر جمی رہے -

جب عربوں کے نزدیک " کسرو جبر " کی یہ تعریف ہے تو کون عقلمند یہ کہ سکتا ہے کہ جس شخص کے متعلق یہ محاورہ استعمال کیا جائے وہ بد صورتی اور دلکشی سے خالی ہو گا -

فاطمہ، اپنے گھر میں

حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی شادی نہایت کامیابی سے بخیر و خوبی انجام پائی ۔ نہ حضرت علی اس لڑکی کے لیے اپنا پیغام دے سکتے تھے جو آپ کو نا پسند ہوتی اور نہ رسول اللہ اپنی لڑکی کا نکاح اس شخص سے کر سکتے تھے جسے آپ کی لڑکی نا پسند کرتی ۔ اگر لامنس کو اس بات سے انکار ہے تو صرف اس وجہ سے کہ اس کا مقصد وحید رسول اللہ ، آپ کے اہل بیت اور محبوب صحابہ کو بد نام کرنا ہے ۔

لامنس کہتا ہے کہ یہ شادی کامیاب نہ تھی کیونکہ فریقین میں سے کوئی دل سے دوسرے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا ، شادی زور ڈال کر زبردستی کرا دی گئی تھی ۔

اگر چہ اس کا یہ قول مؤرخین کے اقوال اور روایات کے قطعاً خلاف ہے ، پھر بھی ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس نے اپنے دعوے کی بنیاد کن امور پر رکھی ہے ۔ اس ذیل میں پہلی دلیل وہ یہ دیتا ہے کہ حضرت فاطمہ کی شادی بیس برس کی عمر میں ہوئی تھی ۔ ظاہر ہے کہ بیس برس کی عمر تک کسی لڑکی کا بیٹھے رہنا یہ سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ اسے کسی بھی شخص نے قبول نہ کیا ہو گا ۔

لیکن اس قول کا غلط ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں - تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت فاطمہ کی شادی اٹھارہ سال کی عمر میں ہوئی اور شادی میں دیر محض اس لیے ہوئی کہ رسول اللہ کو ان سے بے حد محبت تھی اور وہ آنھیں اپنے سے علحدہ کرنا نہ چاہتے تھے -

اس کے بعد لامنس لکھتا ہے :

یہ نا ممکن تھا کہ جو شادی اس طرح ہوئی وہ کامیاب رہتی - یہی وجہ تھی کہ کچھ ہی عرصہ بعد فریقین میں جھگڑے اور مناقشات شروع ہو گئے اور مستقل شکر رنجی نے گھر میں جگہ بنا لی -

اس دعوے کی دلیل میں وہ یہ امر پیش کرتا ہے ، فریقین کی ناراضی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں کسی چارپائی تک کا انتظام نہ کیا گیا تھا * ، حالانکہ چار پائی ایک ضروری چیز تھی -

یہ ایسی احمقانہ دلیل ہے کہ لامنس کے سوا اور کسی مستشرق نے اسے پیش کرنے کی ضرورت نہ سمجھی -

اس کے بعد وہ ناراضی کے ثبوت میں حضرت علی کے فقرو فاقہ کو پیش کرتا ہے اور لکھتا ہے :

"گو علی اس زمانے میں انتہائی غریبی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے لیکن رسول اللہ نے آن کی غریبانہ زندگی کو ختم کرنے یا اس میں کمی کرنے کی کوئی کوشش نہ کی -"

* منتخب الکنوز جلد ۵ ، صفحہ ۵۶

نہ معلوم لامنس نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ رسول اللہ حضرت علی کی غریبانہ زندگی کو ختم کرنے میں کوئی مدد کر سکتے تھے جب ہر شخص کو علم ہے کہ خود رسول اللہ حضرت علی سے زیادہ غریبی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن لامنس تاریخی حقائق کو کلیۃً مسخ کرنے میں بھی کوئی مضایقہ نہیں سمجھتا اور بڑی ڈھٹائی سے یہ لکھتا ہے:

"اس وقت جب علی اور فاطمہ کے گھر میں فقر و فاقہ نے ڈیرے ڈال رکھے تھے رسول اللہ اپنی پوتی امامہ (یا ہالہ) کو زیورات سے لاد رہے تھے۔"

آئیے ہم کتب سیر و حدیث میں ان زیورات کی تلاش کریں جن سے رسول اللہ نے امامہ بن زینب کو لادا تھا۔ اس کے متعلق ہم بخاری میں ابن سعد کی ایک روایت درج پاتے ہیں:

"رسول اللہ اپنے اہل و عیال کے پاس تشریف لائے، اس وقت آپ کے ہاتھ میں سنگ سلیمانی کا ایک ہار تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ہار میں اسے دوں گا جو مجھے تم سب میں سے زیادہ محبوب ہو گی۔ سب نے خیال کیا کہ آپ حضرت ابو بکر کی بیٹی (حضرت عائشہ صدیقہ) کو یہ ہار دیں گے۔ لیکن آپ نے ابو العاص کی بیٹی ہالہ کو بلایا اور اس کے گلے میں یہ ہار پہنا دیا۔"

یہ ہے وہ روایت جس کے گرد لامنس نے اپنے بے اصل نظریات کا تانا بانا بنا ہے۔ سنگ سلیمانی کا ایک ہار، جس کی قیمت چند درہم سے زیادہ نہ ہو گی، اسے بھی آپ

کسی بڑی بیٹی کو نہیں بلکہ کم سن پوتی کو پہناتے ہیں لیکن لامنس اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ فاطمہ فقر و فاقہ کی حالت میں زندگی گزار رہی تھیں اور زینب کی بیٹی کو زیورات سے لادا جا رہا تھا ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

جہاں تک لامنس کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ دونوں میاں بیوی میں بسااوقات جھگڑا ہو جاتا تھا اگر یہ صحیح بھی ہو تو دنیا میں کون شخص ایسا ہے جس کا جھگڑا اپنی بیوی سے کبھی نہ ہؤا ہو۔ خود رسول اللہ کی ذات مبارک کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کے اور آپ کی بیویوں کے درمیان کبھی شکر رنجی پیدا نہ ہوئی۔ باہمی اختلاف سے کسی کو بھی مفر نہیں۔ لیکن اختلاف کا مطلب یہ نہیں کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو یہ شکر رنجی میاں بیوی کی باہمی اُلفت اور محبت پر دلالت کرتی ہے۔

مدینہ کی زندگی مہاجرین کے لیے سخت تکلیف دہ تھی۔ وہاں کی آب و ہوا بہت خراب تھی اور اکثر و بیشتر مہاجرین بخار اور دیگر امراض میں مبتلا رہتے تھے جس سے اُن کی صحت بے حد گر گئی تھی، حتیٰ کہ رسول اللہ کو دعا کرنی پڑی کہ "اے اللہ! مدینہ کو ہر قسم کی بیماریوں سے پاک کر دے اور اسے یہاں کے رہنے والوں کے لیے سلامتی اور امن کی جگہ بنا۔"

تکالیف، مصائب اور بیماریوں کی اس بوجھل فضا میں

فاطمه اس امید سے اپنے نئے گھر میں منتقل ہوئیں که وه وهاں اطمینان ، راحت و آرام اور خوش بختی کی فضا پیدا کریں گی - حضرت علی بھی دل میں اسی قسم کے جذبات لیے ہوئے تھے جس قسم کے جذبات حضرت فاطمه کے دل میں تھے - اور آپ نے ان جذبات کو بروئے کار لانے اور خانگی زندگی کو مسرت اور راحت میں بدلنے کی ہر امکانی کوشش کی - ان کے سامنے رسول اللہ کی خانگی زندگی کا پورا پورا نقشه تھا که کس طرح رسول الله اپنے گھر والوں سے محبت کا سلوک کیا کرتے تھے، کس طرح شکر رنجیوں سے پرهیز کرتے تھے - چنانچه اس بارے میں آپ کا مقوله یه تھا - خیر کم خیر کم لاهله وانا خیر کم لا هلی (تم میں بہتر شخص وه هے جو اپنے اهل و عیال سے بہترین سلوک کرتا هے اور میں اپنے اهل و عیال کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک کرتا هوں) حضرت علی بھی پوری طرح رسول الله کے نقش قدم پر چلے اور ازدواجی زندگی کو مسرت و شادمانی سے هم کنار کرنے میں پوری طرح کامیاب هوئے -

رسول اللہ اپنے گھر میں

اس مقام پر ضروری هے که رسول اللہ کی خانگی زندگی گا مختصر سا حال درج کر دیا جائے تا که اس سے حضرت علی اور حضرت فاطمه کی گھریلو زندگی کا اندازه کرنے میں مدد مل سکے -

رسول الله عورتوں پر نہایت مہربان تھے اور ان کے ساتھ بے حد شفقت سے پیش آتے تھے - ایک مرتبه عورتیں

آپ کے پاس بیعت کے لیے آئیں - بیعت اس بات پر تھی کہ وہ اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کریں گی اور جن باتوں سے اللہ نے روکا ہے اُن سے باز رہیں گی - بیعت کے الفاظ پڑھواتے ہوئے رسول اللہ نے فرمایا :

" اس کے ساتھ یہ بھی کہو کہ جہاں تک ہماری طاقت اور برداشت کام دے گی -"

یہ سن کر عورتوں نے کہا :

" اللہ اور اُس کا رسول ہم پر ہم سے بھی زیادہ مہربان ہے -"

حضرت عائشہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ جب گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو کیا کرتے تھے ؟ اُنھوں نے جواب دیا :

" آپ گھر والوں کا کام کاج کرتے رہتے تھے - یہاں تک کہ نماز کا وقت آ جاتا تھا اور آپ مسجد میں تشریف لے جاتے تھے -"

حضرت عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ آپ گھر والوں کے کام کاج میں اُن کا ھاتھ بٹاتے رہتے تھے -

حضرت علی بھی اپنے گھر میں رسول اللہ کے اسی طریقے پر عمل کرتے رہتے تھے اور گھریلو کام کاج میں حضرت فاطمہ کا ھاتھ بٹاتے رہتے تھے - جب حضرت فاطمہ چکی پیس کر آٹا نکالتی تھیں تو حضرت علی لکڑیاں چننے اور کنوئیں سے پانی نکالنے کے لیے باھر تشریف لے جاتے تھے -

حضرت فاطمہ میں اتنی قوت و طاقت نہ تھی کہ وہ تنہا گھر کا سارا کام انجام دے سکتیں ، خصوصاً اس صورت

میں کہ آپ کے پاس کوئی خادم یا خادمہ نہ تھی اور نہ ان دونوں میاں بیوی کی مالی حالت ھی ایسی تھی کہ وہ کوئی خادم رکھ سکتے۔ فتح مکہ کے بعد اُن کی مالی حالت سدھری جب حضرت علی کو ابتدائی غزوات میں مال غنیمت سے کافی حصہ ملا۔

شاید غریبی ھی نے حضرت فاطمہ کو اس قابل نہ رکھا تھا کہ حضرت حسین کو خود دودھ پلا سکیں۔ اسی وجہ سے اُنھیں بنو کنانہ کی ایک عورت کو ملازم رکھنا پڑا* ۔

حضرت فاطمہ کو حقیقی خوشی اُن کے پہلے بیٹے حسن کی ولادت کے وقت نصیب ھوئی۔ اُن کی ولادت پر وہ خوشی کے مارے پھولی نہ سماتی تھیں۔ اُنھوں نے بچے کی پیدائش کی خوشی میں بعض تقریبات اور قربانیاں کرنی چاھیں ، لیکن رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی تقریب کرنے کی ضرورت نہیں ، صرف یہ کام کرو کہ بچے کے بال منڈوا دو اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی لے کر فقراء اور مساکین کو دے دو۔ حضرت فاطمہ کے دوسرے بچے حسین کی پیدائش پر بھی رسول اللہ نے یہی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُن کے بھی بال منڈوا دیے گئے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی فقراء اور مساکین کو دے دی گئی۔

فاطمہ ، میدان جنگ میں

یہ سمجھنا غلط ھے کہ اسلام نے عورت کو گھر کی چار

* کتاب الاغانی میں لکھا ھے کہ حضرت عباس کی بیوی لبانہ نے حضرت حسین کو دودھ پلایا تھا (الاغانی جلد ۷ ، صفحہ ۱۲ و ۳۰)

دیواری کے اندر قید کر کے اُس کے احساسات و جذبات کا گلا گھونٹ دیا ہے ۔ یہ درست ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت کا علحدہ علحدہ مقام متعین کیا ہے ۔ مرد کا کام گھر سے باہر نکل کر محنت مزدوری یا کوئی کام کر کے اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالنا ہے اور عورت کا کام گھر میں رہ کر بچوں کی تربیت کرنا اور گھریلو کاموں میں وقت صرف کرنا ہے ، لیکن ہنگامی حالات کے پیش آ جانے پر عورتوں کو بھی گھروں سے نکل کر مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کی اجازت ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ صدر اسلام میں جنگوں کے موقعوں پر تلواروں کے سایے میں عورتیں مردوں کے ساتھ ساتھ اُن کا ہاتھ بٹاتی تھیں ، سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں ، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور مردوں کو لڑائی کے لیے جوش دلا کر اُنھیں پیچھے ہٹنے سے باز رکھتی تھیں ۔

کتب سیر اور تاریخ کے صفحات اس بات کے شاہد ہیں کہ مسلمان عورتیں رسول اللہ کے ساتھ میدان جنگ میں جا کر مجاہدین کا دل بڑھاتی تھیں ۔ مریضوں کی بیمار پرسی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں ۔ چنانچہ واقدی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جنگ اُحد میں حضرت فاطمہ اپنے شوہر حضرت علی کی مدد سے مسلمانوں کے زخموں کی مرہم پٹی میں مشغول تھیں ۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس جنگ سے واپسی پر مدینہ میں اُنھوں نے خود رسول اللہ کے زخموں کی مرہم پٹی کی* ۔

* الواقدی صفحہ ۲۴۵

لامنس اس واقعے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فاطمہ احد کے معرکے میں موجود نہ تھیں کیونکہ ابن ہشام اور طبری نے اس قسم کا کوئی واقعہ اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا - لیکن عدم ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ ظہور پذیر ہی نہیں ہؤا - خصوصاً اس صورت میں کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ بے شمار عورتیں لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں جایا کرتی تھیں اور مردوں کے دوش بدوش لڑائی میں حصہ لیا کرتی تھیں حالانکہ ان میں سے اکثر کے نام کتب تاریخ اور سیرت میں موجود نہیں -

فاطمہ کی اولاد

حضرت فاطمہ کو اللہ نے اُن کے شوہر حضرت علی سے پانچ اولادیں عطا فرمائیں - تین لڑکے حسن ، حسین اور محسن* - اور دو لڑکیاں زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ - حسن ۳ھ میں پیدا ہوئے اور حسین ۵ شعبان ۴ھ کو -

جب رسول اللہ نے ولادت حسن کی خبر سنی تو آپ فوراً حضرت فاطمہ کے گھر پہنچے - نومولود کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور اس کے کان میں اذان دی† -

اس کے بعد آپ نے اپنا لعاب دہن چٹایا - اس چیز کو عرب لوگ " تحنیک " کہتے تھے ‡ -

* بعض مؤرخین محسن کے وجود سے انکار کرتے ہیں لیکن مسعودی اور ابو الفدا وغیرہ نے ان کا ذکر کیا ہے -

† مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ، صفحہ ۳۹۱

‡ صحیح البخاری - مسند احمد بن حنبل - بلاذری

حسین کی پیدائش پر رسول اللہ نے انھیں اپنا لعاب دھن نہ چٹایا کیونکہ اس موقع پر آپ ذرا دیر میں پہنچے تھے اور فاطمہ آسے دودھ پلا چکی تھیں*۔ حضرت علی کہا کرتے تھے " میرے بچوں میں حسین مجھ سے بہت زیادہ مشابہ ہے †۔"

تیسرے بچے محسن کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نام کا حضرت علی کا کوئی بچہ نہ تھا لیکن مسعودی اور یعقوبی محسن کا ذکر کرتے ہیں۔ مؤلف کتاب " الاسنادفی معرفۃ حجج اللہ علی العباد " لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ کو شدت رنج و الم کی وجہ سے اسقاط حمل ہو گیا تھا۔

حسن کی پیدائش کے موقع پر حضرت علی نے ان کا نام " حرب " رکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ جب رسول اللہ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا:

" اپنے بیٹے کو مجھے دکھاؤ۔ تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے ؟ "

حضرت علی نے کہا:

" میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔"

آپ نے فرمایا:

" نہیں، اس کا نام حسن رکھو۔"

حسین کی پیدائش پر حضرت علی نے آن کا بھی نام حرب رکھا لیکن رسول اللہ نے آسے بدل کر حسین‡ رکھ دیا۔

* منتخب الکنوز۔ بلاذری۔

† منتخب الکنوز۔ بلاذری۔

‡ مسند احمد بن حنبل۔

رسول اللہ حسنین سے بے حد محبت کرتے تھے - آپ کی زندگی میں یہ دونوں بہت کم سن تھے - آپ کی وفات کے وقت حضرت حسن کی عمر آٹھ سال اور حضرت حسین کی عمر چھ سال سات مہینے تھی* -

عبداللہ بن شداد اپنے والد سے روایت کرتے ھیں کہ ایک روز رسول اللہ مغرب یا عشا کی نماز کے لیے باھر تشریف لائے - آپ اس وقت حسن یا حسین کو اٹھائے ھوئے تھے - مسجد میں تشریف لا کر آپ نے انھیں زمین پر بٹھا دیا اور خود نماز کے لیے کھڑے ھو گئے - جب سجدے میں گئے تو خاصی دیر تک سر نہ اٹھایا - میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ھوں کہ بچہ رسول اللہ کی پیٹھ پر چڑھا ھؤا ھے اور آپ سجدے میں پڑے ھوئے ھیں - یہ دیکھ کر میں پھر سجدے میں چلا گیا - جب نماز ختم ھوئی تو لوگوں نے پوچھا :

" یا رسول اللہ ! آپ نے نماز میں ایک سجدہ بے حد طویل کر دیا - کیا اس دوران میں کوئی واقعہ ھو گیا یا آپ پر وحی نازل ھوتی رھی ؟"

آپ نے فرمایا :

" ان دونوں میں سے کوئی بھی بات نہیں ھوئی - صرف یہ ھؤا کہ میرا بیٹا میری پیٹھ پر سوار ھو گیا تھا - مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں اسے اس کا کھیل ختم ھونے سے پہلے اتار دوں † -"

* منہاج السنۃ النبویہ از ابن تیمیہ -

† تیسیرا الوصول الی جامع الاصول، جلد۳، صفحہ۸۵ -

نور الدین علی بن محمد المعروف به ابن صباغ "فصول المہمہ*" میں زیاد بن ابیہ سے روایت کرتے ھیں که رسول اللہ حضرت عائشه کے گھر سے نکلے۔ جب آپ فاطمه کے گھر کے سامنے سے گزر رھے تھے تو آپ نے حسین کو روتے سنا۔ آپ نے گھر میں داخل ھو کر اپنی بیٹی سے فرمایا:

"کیا تمھیں معلوم نہیں که اس کے رونے سے مجھے تکلیف ھوتی ھے؟"

براء بن عارف کہتے ھیں:

"میں نے رسول اللہ کو دیکھا که آپ حسین کو کندھے پر آٹھائے ھوئے تھے اور فرما رھے تھے "اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ھوں، تو بھی اس سے محبت کر۔"

ترمذی نے 'مناقب حسن و حسین' میں اور بغوی نے اپنی کتاب 'مصابیح السنة' کے باب 'مناقب اھل البیت صلواة اللہ علیہم' میں حضرت اسامه بن زید کی زبانی یه روایت بیان کی ھے:

"میں نے کسی ضرورت سے رسول اللہ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ کوئی چیز چادر میں لپیٹے ھوئے باھر تشریف لائے۔ جب میں اپنی ضرورت بیان کر چکا تو آپ سے دریافت کیا:

"یا رسول اللہ! یه آپ کیا لپیٹے ھوئے ھیں؟"

آپ نے کپڑا آٹھایا تو اس میں سے حسن اور حسین ظاھر ھوئے جو آپ کی گود میں چڑھے ھوئے تھے۔ آپ نے فرمایا:

* الفصول المہمہ، صفحہ ۱۷۷

یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے لخت جگر ہیں ۔ اے اللہ ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں ۔ تو بھی ان دونوں سے اور ہر اس شخص سے ، جو ان سے محبت کرتا ہے ، محبت فرما ۔''

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا ''میرے بیٹوں کو میرے سامنے لاؤ ۔'' جب وہ دونوں آپ کے پاس آئے تو آپ نے آنھیں سینے سے چمٹا لیا ۔

رسول اللہ ایک دن خطبہ دے رہے تھے کہ حسن اور حسین بھی مسجد میں آ گئے ۔ وہ دونوں سرخ قمیصیں پہنے ہوئے تھے اور صغر سنی کی وجہ سے چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے ۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ منبر سے آترے ، ان دونوں کو آٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا لیا ۔ پھر فرمایا :

''اللہ نے سچ فرمایا ہے انما اموالکم و اولادکم فتنۃ (تمھارے اموال اور اولادیں تمھارے لیے آزمائش ہیں) میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں ، یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں خطبہ چھوڑ کر انھیں اٹھا لایا ۔''

ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں :

''رسول اللہ نماز پڑھ رہے تھے کہ حسین دوڑتے ہوئے آئے اور آپ کی پیٹھ پر سوار ہو گئے ۔ جب آپ سجدے سے آٹھے تو آنھیں گود میں اٹھا لیا ۔ جب رکوع کیا تو زمین پر بٹھا دیا ۔''

ابو لیلی حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں :

"میں نے حسن اور حسین کو رسول اللہ کے کندھے پر سوار دیکھا تو کہا "تمھیں سواری کے لیے کیسا اچھا گھوڑا مل گیا ہے !"

ابو عمر بن البرالقرطبی 'الاستیعاب' میں حضرت ابوھریرہ سے روایت کرتے ہیں :

"میری ان دو آنکھوں نے دیکھا ہے اور ان دو کانوں نے سنا ہے کہ رسول اللہ حسین کے دونوں کندھے پکڑے ہوئے تھے ۔ ان کے پاؤں رسول اللہ کے پاؤں پر تھے ۔ آپ فرما رہے تھے ، ترق تر ق عین بقه (اے ننھے منے ! اٹھ) یہ کہ کر آپ نے بچے کو اپنے ھاتھوں میں اٹھایا ، یہاں تک کہ اُس کے پاؤں آپ کے سینے پر لگنے لگے۔ آپ نے اُس سے کہا " منہ کھولو ! " بچے نے منہ کھول دیا ۔ آپ نے اسے پیار کیا اور فرمایا " اے اللہ ! میں اس سے محبت کرتا ھوں ، توبھی اس سے محبت کر* ۔"

علی بن الحسن بن عساکر 'تاریخ کبیر' میں لکھتے ھیں :

" طبرانی نے جعفر بن محمد سے اور اُنھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے حسن ، حسین ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر سے بیعت لی ، حالانکہ وہ دونوں اُس وقت بچے تھے اور بلوغت کو نہ پہنچے تھے ۔ آپ نے ان کے سوا اور کسی بچے سے بیعت نہ لی ۔"

ابن ماجہ نے 'سنن' میں ، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابو الحسن علی ابن فخر الدین الاربلی نے 'کشف الغمہ' میں یعلی بن مرہ العامری سے روایت کی ہے

* تاریخ کبیر ، جلد ۴ ، صفحہ ۳۲۳

کہ رسول اللہ ایک دعوت میں شریک ہونے کے لیے گھر سے نکلے۔ حسین گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلائے۔ بچے نے ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ بھی اُسے ہنسا رہے تھے۔ بالآخر آپ نے اُنھیں پکڑ لیا اور اُن کا ایک ہاتھ اپنی گدی کے نیچے اور دوسرا ٹھوڑی کے نیچے رکھ لیا اور فرمایا:

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ اُس شخص سے محبت کرے جس نے حسین سے محبت کی۔"

سلیمان الحسین البلخی 'ینابیع المودۃ' میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ حسین کے سامنے اپنی زبان اپنے منہ سے باہر نکالتے تھے۔ بچہ جب سرخ زبان دیکھتا تو اُسے ہاتھ میں لینے کے لیے لپکتا۔ یہ دیکھ کر عینیہ بن بدر نے کہا 'حسین آپ کے ساتھ کھیل رہا ہے اور آپ اس کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ میرا بھی ایک بچہ ہے، لیکن میں نے اُسے کبھی نہیں چوما۔' یہ سن کر رسول اللہ نے فرمایا 'جو شخص پیار نہیں کرتا اُس سے پیار نہیں کیا جائے گا*'۔"

☆ ☆ ☆

ہم نے کتب اخبار و سیر سے بڑی تفصیل کے ساتھ

* مزید تفصیل کے لیے دیکھیں سبط ابن الجوزی، الاستیعاب ابن عبدالبر، مسند احمد بن حنبل، انساب الاشراف بلاذری، طبری وغیرہ۔

بیان کیا ہے کہ رسول اللہ حضرت فاطمہ کی اولاد سے کس درجہ پیار کرتے تھے ، لیکن لامنس کو ان تمام واقعات سے انکار ہے - وہ لکھتا ہے کہ رسول اللہ کو خانگی زندگی سے کوئی غرض ہی نہ تھی - اس صورت میں یہ بات نا ممکن ہے کہ آپ فاطمہ کے بچوں کے ساتھ وقت گزارتے ، ان کے ساتھ کھیلتے اور انھیں پیار کرتے -

ہمیں لامنس کی اس عجیب و غریب رائے پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ دینی کاموں کے ساتھ ساتھ خانگی اور گھریلو زندگی میں بھی اپنے حقوق پوری طرح ادا فرمایا کرتے تھے - کتب سیر کا مطالعہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے صرف ایک بار ایسا ہؤا ہے کہ رسول اللہ نے اپنی بیویوں سے ناراض ہو کر ایک مہینے کے لیے آن سے بولنا چالنا چھوڑ دیا تھا - قرآن کریم بھی اس واقعے کی تائید کرتا ہے - لیکن اس واقعے کے بعد پھر کبھی ایسا نہ ہؤا کہ آپ نے اپنی بیویوں سے بولنا چالنا ترک کر دیا ہو اور آن سے قطع تعلق کر لیا ہو -

رسول اللہ حضرت فاطمہ کے بچوں سے اتنی محبت اس لیے کرتے تھے کہ حضرت فاطمہ آپ کی سب سے محبوب بیٹی تھیں - رسول اللہ حضرت فاطمہ کی اولاد کے سوا اور بیٹیوں کی اولاد کو اپنی نسل سے خیال نہ کرتے تھے ، صرف حضرت فاطمہ کی اولاد ہی کو یہ شرف حاصل تھا - اسی لیے آپ فرماتے ہیں :

" اللہ نے ہر نبی کی اولاد اس کے اپنے صلب سے بنائی

لیکن میری اولاد علی کے صلب سے بنائی * ۔"

آپ حسنین کے متعلق فرمایا کرتے تھے :

" یہ دونوں دنیا میں میری خوشبو ہیں ۔"

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ حسنین صورت و شکل میں رسول اللہ کے مشابہ تھے ۔ حسن تو صرف چہرے میں حضور سے ملتے جلتے تھے لیکن حسین سرتاپا حضور کے مشابہ تھے † ۔

صحیح بخاری میں آتا ہے ، فاطمہ اور ابو بکر کہا کرتے تھے کہ حسن ، علی کے مشابہ نہیں ‡ ۔

رسول اللہ کے محبت کرنے کی وجہ سے صحابہ کرام بھی حسنین سے بہت محبت کرتے تھے ۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ حسن کی ناف پر پیار کرتے تھے کیونکہ انھوں نے رسول اللہ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا☼ ۔

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ بسا اوقات دونوں بچوں سے ہنسی مذاق کیا کرتے تھے ، ان کے ساتھ کھیلا کرتے تھے ، ان دونوں کو اپنی ٹانگوں کے درمیان سے گزارا کرتے تھے ، نماز کے وقت وہ دونوں آپ کی پیٹھ پر چڑھ کر بیٹھ جاتے تھے مگر آپ کچھ نہ

* مسند احمد حنبل ۔

† انساب الاشراف ، صفحہ ۴۴۸ ۔

‡ صحیح البخاری ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۴۶ ۔

☼ مسند احمد بن حنبل ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۴۱ ۔

بلاذری صفحہ ۵۸۸

کہتے تھے بلکہ سجدے کو لمبا کر دیتے تھے ۔ نماز ختم ہونے پر اُن دونوں کو گھٹنوں پر بٹھا لیتے ، اُنھیں پیار کرتے اور اُن کی زبانوں کو چاٹتے ۔

ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ کو ان دونوں سے بے حد محبت تھی اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ آپ کی سب سے محبوب بیٹی کے لڑکے تھے۔

حضرت علی، فاطمہ اور اُن کے بیٹوں سے رسول اللہ کی محبت کے ضمن میں ایک اور واقعہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے ۔ ایک مرتبہ حضرت علی نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ! آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا فاطمہ سے ؟ حضرت علی کا یہ سوال محض اس فخر و ناز کے باعث تھا جو اُنھیں رسول اللہ پر تھا ۔ رسول اللہ نے جواب دیا :

" فاطمہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے اور تم مجھے فاطمہ سے زیادہ عزیز ہو ۔"

اس طرح رسول اللہ ہر موقع پر ان دونوں سے شفقت و مہربانی اور محبت کا اظہار کرتے رہتے تھے ۔ ایک مرتبہ آپ ان کے گھر تشریف لے گئے ۔ اُس وقت دونوں میاں بیوی سو رہے تھے ۔ حسن رو رہے تھے اور کھانا مانگ رہے تھے ۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ نے فوراً ایک بکری کا دودھ دوہا اور حسن کو پلایا جسے پی کر وہ چپ ہو گئے ۔ لیکن آپ نے علی اور فاطمہ کو نیند سے اُٹھانا نہ چاہا ، محض اس وجہ سے کہ ان کے آرام میں خلل پڑے گا جو مناسب نہیں ۔

حضرت علی اورحضرت فاطمہ کی زندگی بہت سادہ تھی ۔

گو اُنھیں امیری میسر نہ تھی اور وہ غریبی میں بسراوقات کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود دونوں کی زندگی بڑے آرام کی تھی اور اُنھیں روحانی و ذہنی سکون و اطمینان میسر تھا ۔ غریبی کی یہ حالت اُس وقت تک رہی جب تک غزوات میں اضافہ نہ ہو گیا ۔ غزوات میں اضافہ ہونے پر جب مال غنیمت کثرت سے آنے لگا تو رسول اللہ نے اپنی محبوب بیٹی کے لیے تھوڑا سا گزارہ مقرر کر دیا جو اُنھیں سال بہ سال ملا کرتا تھا ۔ اس قلیل رقم کے ذریعے سے وہ گھر کا گزارہ چلایا کرتی تھیں اور بچوں کی تربیت پر خرچ کرتی تھیں ۔

فتح مکہ کے موقع پر حضرت فاطمہ بھی رسول اللہ کے ساتھ تھیں اور آپ نے اپنی آنکھوں سے فتح کے ایمان افروز نظارے دیکھے ۔ آپ کی نظروں کے سامنے مکہ کا شہر تھا جہاں آپ کے والد کو سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں ، ان کے سر پر اوجھڑی لا کر رکھ دی جاتی تھی اور فاطمہ اسے بڑی مشکل سے اُٹھاتی تھیں ۔ وہی مکہ اب تھا لیکن صورت حال بالکل تبدیل ہو چکی تھی ۔ مظلوم فاتح بن چکے تھے اور ظالم مفتوح بن کر رسول اللہ کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے ۔

یہ واقعہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے تھوڑا عرصہ قبل ابو سفیان حضرت فاطمہ کی خدمت میں حاضر ہؤا تھا ۔ خزاعہ پر حملہ کرنے کے بعد قریش نے یہ محسوس کیا تھا کہ رسول اللہ ان کے نقض عہد کی وجہ سے انھیں معاف نہ کریں گے اور وعدہ خلافی کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی ۔ اُنھوں نے ابو سفیان کو

اس غرض سے مدینہ بھیجا کہ وہ جا کر رسول اللہ سے دوبارہ معاہدۂ صلح کرنے کی کوشش کرے تا کہ قریش کی جانیں بچ جائیں ۔ ابوسفیان مدینہ آ کر پہلے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے ملا لیکن ان دونوں نے مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا ۔ اس کے بعد وہ حضرت فاطمہ کے پاس پہنچا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ اپنے والد پر اثر ڈال کر اُنھیں قریش پر حملہ کرنے سے باز رکھیں اور حسن و حسین کو حکم دیں ، وہ لوگوں میں یہ اعلان کر دیں کہ ہم نے اہل مکہ کو امن دے دیا ہے ۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ پر حضرت فاطمہ کا کتنا اثر تھا ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سردار قریش کبھی اُن کی وساطت سے یہ کام کرانے میں کوشاں نہ ہوتا ۔ لیکن حضرت فاطمہ نے اس معاملے میں دخل دینے سے بالکل انکار کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ کی مخالفت کرتے ہوئے کوئی شخص کسی کو امن نہیں دے سکتا اور آپ کی مرضی کے بغیر کوئی شخص کسی سے صلح نہیں کر سکتا ۔

اس پر ابو سفیان خائب و خاسر ہو کر واپس چلا گیا۔

فاطمہ کی وفات

مرض الموت میں جب رسول اللہ کی بیماری نے شدت اختیار کر لی تو آپ نے اپنی بیویوں سے درخواست کی کہ انہیں عائشہ کے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ چنانچہ تمام بیویوں نے آپ کو اجازت دے دی کہ عائشہ ہی کے گھر میں رہیں۔ بیماری کے دوران میں حضرت فاطمہ برابر آپ کی خدمت میں حاضر رہتیں اور کبھی آپ سے جدا نہ ہوتیں*۔ جب آپ کی تکلیف میں اضافہ ہؤا تو آپ بار بار ہاتھ میں پانی لے کر سر پر ڈالتے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو شدید بے چینی ہے۔

حضرت فاطمہ بڑی بے تابی سے یہ سارا حال دیکھ رہی تھیں۔ شدت رنج و الم کے باعث اُن کا برا حال تھا اور وہ کہتی تھیں:

"ابا! کاش آپ کی تکلیف میں اپنے آپ پر لے سکتی۔"

رسول اللہ تسلی دیتے ہوئے کہتے:

"تیرے باپ کو آج کے بعد کوئی تکلیف نہ پہنچیگی۔"

مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ اسی بیماری کی حالت میں ایک دفعہ حضرت فاطمہ رسول اللہ کے پاس آئیں۔ اس وقت

* انساب الاشراف، بلاذری

حضرت عائشہ بھی موجود تھیں - انھیں دیکھ کر رسول اللہ نے کہا :

" آؤ بیٹی -"

یہ کہ کر آپ نے انھیں اپنی دائیں جانب بٹھا لیا اور چپکے چپکے کچھ باتیں کیں - یہ سن کر وہ رونے لگیں - اس کے بعد آپ نے کچھ اور باتیں اسی طرح چپکے چپکے کیں جنھیں سن کر وہ ھنسنے لگیں -

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ھیں کہ میں نے کبھی رنج و الم اور خوشی کی حالتوں کو یکجا نہیں دیکھا - میں نے فاطمہ سے پوچھا کہ رسول اللہ نے کیا فرمایا تھا؟ فاطمہ نے جواب دیا :

" میں رسول اللہ کی زندگی میں آپ کا راز کسی پر افشا نہ کروں گی -"

رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ نے وہ بات ظاھر کر دی - انھوں نے کہا :

" رسول اللہ نے مجھے فرمایا کہ جبریل مجھے ھر سال ایک مرتبہ قرآن مجید سنایا کرتے تھے لیکن اس سال انھوں نے دوبار سنایا ھے - اس سے معلوم ھوتا ھے کہ میرا آخری وقت قریب آ گیا ھے - البتہ میرے اھل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے جو ملے گا وہ تم ھوگی -"

جب یہ باتیں سن کر میں رونے لگی تو آپ نے فرمایا :

" کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ اس امت کی

عورتوں کی سردار بنو ؟ یہ سن کر میں ہنسنے لگی ۔"

☆ ☆ ☆

رسول اللہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت فاطمہ کو بے اختیار رونا آرہا تھا لیکن اُنھوں نے بزور اپنے آپ کو روکا کہ کہیں آپ دیکھ نہ لیں اور اُن کا رونا آپ کی تکلیف میں اضافے کا موجب نہ بن جائے ۔ بالآخر اللہ کی مشیت پوری ہوئی ۔ رسول اللہ کے لیے آسمان کے دروازے کھل گئے ۔ فرشتوں کی فوجیں آپ کو جوار رحمت میں لے جانے کے لیے نازل ہو گئیں اور آپ کی روح پاک ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی ۔

حضرت فاطمہ کے لیے زمین و آسمان تاریک ہو گئے ۔ اُن کا حد درجہ شفیق اور مہربان باپ دنیا سے رخصت ہو گیا ۔ اُنھیں اپنی زندگی ایک بار محسوس ہونے لگی ۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد پھر کبھی حضرت فاطمہ کے چہرے پر ھلکی سی مسکراھٹ بھی نہ دیکھی گئی ۔

ایک بار وہ رسول اللہ کے مزار پر آئیں ۔ قبر کی مٹی ہاتھ میں لی اور اُسے آنکھوں اور چہرے پر مل کر اشک باری کی حالت میں یہ اشعار پڑھنے لگیں :

ما ذا علی من شم تربۃ احمد
الا یشم مدی الزمان غوالیا
صبّت علیّ مصائب لوانھا
صبّت علی الایام عدن لیالیا

(جو شخص احمد کی تربت کی مٹی ایک بار سونگھ لے اس پر لازم ہے کہ پھر کبھی خوشبو نہ سونگھے - مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے -)

ان اشعار میں حضرت فاطمہ نے اپنے حزن و الم اور مصائب کا پورا پورا حال بیان کر دیا ہے - رسول اللہ کی وفات سے انہیں اپنی والدہ حضرت خدیجہ کی وفات اور اپنے پیارے چچا حضرت حمزہ کی شہادت کے واقعات یاد آ گئے - والدین سے حضرت فاطمہ کو اتنی محبت تھی جس کی انتہا نہیں - حضرت حمزہ کی محبت اس وجہ سے تھی کہ جب سارا مکہ رسول اللہ کا شدید دشمن تھا اور آپ کو نت نئی ایذائیں پہنچانے پر سب لوگ کمر بستہ رہتے تھے ، اس وقت اگر کوئی ذات آپ کی مدد کے لیے آگے بڑھتی تھی تو وہ حضرت حمزہ کی تھی -

حضرت فاطمہ روزانہ مزار رسول اللہ کی زیارت کو آیا کرتی تھیں اور خاصی دیر تک اس کے سرھانے کھڑی رہ کر آنسو بہایا کرتی تھیں - بعض اوقات روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی - ان کی یہ حالت دیکھ کر دوسرے لوگ بھی بے اختیار رونے لگتے تھے - مزار پر اکثر وہ یہ مرثیہ پڑھا کرتی تھیں :

اغبر آفاق السماء و کورت
شمس النہار و اظلم العصران

والارض من بعدالنبي كـئيبة
اسفـا عليه كثيرة الاحزان
فليبكه شرق البلاد و غربهـا
ولتبكه مضر و كل يمـان
يا خـاتم الرسل المبـارک صنوه
صـلی علیک منـزل القـرآن

(آسمان کی پہنائیاں غبار آلود ھو گئیں - سورج لپیٹ دیا گیا اور زمانہ تاریک ھو گیا - رسول اللہ کے بعد زمین غمگین و حزین اور افسردہ ھو گئی - چاھیے کہ آپ پر مشرق و مغرب کے رھنے والے روئیں اور چاھیے کہ تمام اھل مضر اور اھل یمن آپ کی وفات پر آنسو بہائیں - اے ختم الرسل! جس پر قرآن اترتا تھا ، تجھ پر اللہ کی رحمت نازل ھو -)

یہ مرثیہ سن کر کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشک بار نہ ھو اور کوئی دل ایسا نہ تھا جس کی گہرائیوں سے غم کے جذبات نہ امنڈتے ھوں -

ایک بار رسول اللہ کے خادم حضرت انس بن مالک حضرت فاطمہ کے پاس آئے اور انھیں تسلی تشفی دینے لگے - حضرت فاطمہ نے ان سے پوچھا :

" تمھیں رسول اللہ کو زمین کے سپرد کرنا اور ان پر مٹی ڈالنا کیوں کر گوارا ھؤا ؟"

یہ سن کر انس بن مالک بھی ضبط نہ کر سکے اور

ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے ۔

☆ ☆ ☆

رسول اللہ کی وفات سے حضرت فاطمہ کو جو قلق و اضطراب ہؤا تھا اسی قسم کا قلق و اضطراب رسول اللہ کی لونڈی ام ایمن کو ہؤا تھا جنھوں نے نہایت محبت سے آپ کی پرورش کی تھی ۔ رسول اللہ کی وفات سے آپ کو سخت صدمہ ہؤا ۔ کثرت رنج و الم کے باعث بسااوقات آپ کی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ اٹھنے بیٹھنے یا بات کرنے کی بھی طاقت نہ رہتی تھی ۔ افاقہ ہونے پر رو رو کر کہتی تھیں :

”مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ ایک دن وفات پا جائیں گے ۔ لیکن میں اس وحی پر رو رہی ہوں جو ہم پر آسمان سے آنی بند ہو گئی ۔“

فاطمہ رسول اللہ کی وفات کے بعد

رسول اللہ کی وفات کے بعد خلافت کے بارے میں جو واقعات پیش آئے ان کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ۔ البتہ اس جگہ ہم وہ واقعات ضرور سپرد قلم کریں گے جن کا تعلق حضرت فاطمہ کی ذات سے ہے ۔ متعدد تاریخی شواھد سے واضح ہوتا ہے کہ جب حضرت علی نے اپنی حمایت کے لیے انصار کو ابھارنا اور اس بارے میں ان سے بات چیت کرنی چاھی تو وہ رات کے وقت حضرت فاطمہ کو خچر پر بٹھا کر انصار کے محلوں میں لے گئے ۔ وہ باری باری ان کے گھروں میں جاتیں اور ان سے تائید علی کی درخواست

کرتیں* ، لیکن ہر جگہ سے یہ جواب ملتا :

"اے بنت رسول اللہ! ہم اُس شخص (حضرت ابوبکر) کی بیعت کر چکے ہیں اس لیے اب ہم بیعت فسخ نہیں کر سکتے ۔ البتہ اگر آپ کے خاوند خلافت کا تصفیہ ہونے سے پہلے ہمارے پاس آتے تو ہم ضرور اُن کی مدد پر کمر بستہ ہو جاتے ۔"

یہ سن کر حضرت علی کہتے :

" کیا میں رسول اللہ کی نعش مبارک کو اُسی طرح چھوڑ دیتا اور آپ کی تجہیز و تکفین کے متعلق بے پروائی برت کر لوگوں سے خلافت کے لیے لڑتا جھگڑتا ؟"

حضرت فاطمہ بھی کہتیں :

" ابوالحسن (علی) نے جو کچھ کیا اُنھیں وہی کرنا چاہیے تھا ۔ دوسرے لوگوں نے جو کچھ کیا اللہ اُن سے اس کا حساب لے گا ۔"

☆ ☆ ☆

اس کے بعد جب عرب کے طول و عرض میں ارتداد کا فتنہ بڑے زور شور سے بھڑکا تو حضرت عمر کو خیال پیدا ہؤا کہ اس نازک وقت میں مسلمانوں کے اختلافات رفع ہو جانے چاہییں اور تمام لوگوں کو مل کر دشمن کا مقابلہ

* حضرت علی اور حضرت فاطمہ ، دونوں کی شان سے یہ بات قطعاً بعید ہے کہ وہ اس طرح در بدر انصار کے گھروں میں جاتے اور اُن سے خلافت کے حصول میں مدد کی درخواست کرتے ۔ (مترجم)

کرنا چاہیے۔ اس لیے ضروری تھا کہ بنو ہاشم کو حضرت ابوبکر کی بیعت کے لیے آمادہ کیا جاتا ۔ چنانچہ وہ حضرت ابوبکر کو لے کر حضرت علی کے گھر کی طرف چلے تا کہ اُن سے بیعت لی جائے ۔ جب حضرت فاطمہ نے لوگوں کی آوازیں سنیں تو بلند آواز سے کہا :

” اے ابا جان ! ہم نے آپ کے بعد ابن خطاب اور ابو قحافہ کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اُٹھائیں ۔“

جب لوگوں نے حضرت فاطمہ کے رونے چلانے کی آواز سنی تو وہ بھی روتے ہوئے اپنے گھروں کو چلے گئے ۔ حضرت عمر کو بھی بہت رنج ہؤا اور آپ نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہا :

”ہم نے فاطمہ کو ناراض کر دیا ہے ہمیں اُنھیں منانے کی کوشش کرنی چاہئے ۔“

چنانچہ وہ دونوں حضرت فاطمہ کے گھر پہنچے اور اندر آنے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے اجازت نہ دی ۔ اس پر وہ حضرت علی کے پاس پہنچے اور اُن سے بات کی ۔ وہ اُن دونوں کو لے کر حضرت فاطمہ کے پاس پہنچے اور اُنھیں بٹھایا ۔ لیکن حضرت فاطمہ نے اُن کی طرف سے منہ پھیر کر دیوار کی طرف کر لیا ۔ اُنھوں نے سلام کیا لیکن جواب نہ ملا ۔ اس پر حضرت ابو بکر بولے :

” اے رسول اللہ کی محبوب بیٹی! خدا کی قسم رسول اللہ کے عزیز مجھے اپنے عزیزوں سے زیادہ پیارے ہیں ۔ آپ مجھے میری بیٹی عائشہ سے زیادہ محبوب ہیں ۔ میری خواہش تھی کہ جس روز رسول اللہ کا انتقال ہؤا میں بھی اُسی روز

مرجاتا اور اُن کے بعد زندہ نہ رہتا ۔ کیا آپ دیکھتی نہیں کہ مجھے آپ کے فضل اور شرف کا اعتراف ہے ؟ آپ سمجھتی ہیں کہ میں نے آپ کا حق غصب کیا ہے اور آپ کو رسول اللہ کی میراث سے محروم کر دیا ہے ۔ خدا کی قسم ! میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے :

" ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا ۔ ہم اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہوگا* ۔"

حضرت فاطمہ نے کہا :

" اگر میں تمھیں رسول اللہ کی حدیث سناؤں تو کیا اُسے سچ جانو گے ؟ "

دونوں نے جواب دیا " یقیناً ۔"

حضرت فاطمہ نے کہا :

" میں تمھیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتی ہوں ، کیا تم نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جس نے میری بیٹی فاطمہ سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی ، جس نے میری بیٹی فاطمہ کو راضی کیا اُس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا ۔"

دونوں نے جواب دیا :

* حضرت فاطمہ اور حضرت ابوبکر کے درمیان رسول اللہ کے ترکے کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا تھا ۔ حضرت فاطمہ چاہتی تھیں کہ وہ ترکہ انھیں دیا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے ایسا کرنے سے انکار کردیا اور اپنی دلیل میں مندرجہ بالا حدیث پیش کی ۔ (مؤلف)

"بے شک ہم نے رسول اللہ سے یہ حدیث سنی ہے۔"
حضرت فاطمہ نے کہا :

تو میں اللہ اور اُس کے فرشتوں کو گواہ بناتی ہوں کہ تم نے مجھے ناراض کیا ہے اور مجھے راضی نہیں کیا۔ جب میں رسول اللہ سے ملوں گی تو اُن سے تمھاری شکایت کروں گی *۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر زار و قطار رونے لگے اور باہر نکل کر لوگوں سے کہا کہ وہ خلافت کا بار اُٹھانے

* اس روایت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے دعوے کی دلیل میں یہ حدیث پیش کی تھی کہ ہمارا کوئی وارث نہ ہو گا، ہم اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہو گا تو حضرت فاطمہ کے لیے دو ہی راستے تھے - یا تو وہ اس حدیث کو درست سمجھ کر رسول اللہ کے ارشاد کے آگے سر تسلیم خم کر دیتیں اور آپ کی میراث لینے پر اصرار نہ کرتیں یا پھر اس حدیث کو درست تسلیم کرنے سے انکار کر دیتیں۔ لیکن مندرجہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق کی پیش کردہ حدیث کے بارے میں تو کوئی رائے ظاہر نہ کی لیکن اپنی طرف سے ایک اور حدیث پیش کر دی۔ حالانکہ حضرت فاطمہ کی پیش کردہ حدیث سے حضرت ابوبکر صدیق کے دعوے کی تردید نہیں ہوتی اور دونوں میں کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے لازماً یہی سمجھنا پڑے گا کہ سرے سے یہ روایت ہی درست نہیں۔ (مترجم)

کے لیے تیار نہیں ، وہ آن کی جگہ کسی اور کو خلیفہ بنا لیں - لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ اس نازک وقت میں آپ کا خلافت چھوڑ دینا ملت اسلامیہ کے لیے سخت خطرے کا باعث ہوگا - حضرت فاطمہ کی وفات تک حالات اسی نہج پر چلتے رہے - جب آپ وفات پا گئیں تو حضرت علی نے مسجد میں جا کر حضرت ابوبکر سے بیعت کر لی اور صدق دل سے آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا - بعد میں ہمیشہ آپ کی زبان سے حضرت ابوبکر کے لیے کلمات خیر ہی نکلا کیے -

☆ ☆ ☆

حضرت فاطمہ کا یہ حق تھا کہ وہ انتہائی خوش بخت ہوتیں اور خوشی و شادمانی کی حالت میں زندگی گذارتیں کیونکہ وہ مسلمان عورتوں کی سردار اور رسول اللہ کی محبوب ترین بیٹی تھیں - لیکن اپنے والد، رسول اللہ کی محبت آن کے لیے بمنزلہ عبادت تھی - آپ کی وفات آن کے لیے ناقابل برداشت صدمہ ثابت ہوئی اور اس صدمے نے آنہیں گھن کی طرح کھا لیا - آن کے دل میں برابر رسول اللہ کا خیال رہتا اور زبان پر برابر آپ ہی کا نام رہتا - جب وہ ماضی کے پردے آلٹ کر نظر ڈالتیں تو اپنی پیاری والدہ اور بہنوں کو یکے بعد دیگرے اس دنیا سے رخصت ہوتے دیکھتیں - صرف رسول اللہ کی ذات ہی ایسی تھی جس سے آن کی دل بستگی کا سامان ہو سکتا تھا - لیکن وہ بھی بالآخر اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور فاطمہ اکیلی رہ گئیں -

رسول اللہ کے اس خاندان کے لیے یہ مقرر تھا کہ وہ دنیا میں اس طرح رہے جس طرح لق و دق اور تپتے ہوئے صحرا میں عظیم الشان درخت ۔ صحرا کی ناقابل برداشت گرمی میں وہ درخت لوگوں کو اپنی گھنیری چھاؤں کے ذریعے سے آرام پہنچاتا ہے لیکن خود اس درخت کے لیے دوپہر کی شدید گرمی میں تپنا ہی مقدر ہوتا ہے ۔ اگر زمانہ اُن سے انصاف کرتا اور اُنھیں اُن کی خدمات کا پورا پورا صلہ دیتا تو اُن سے بڑھ کر کوئی خوش قسمت نہ ہوتا ۔

☆ ☆ ☆

رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ گم گم سی رہتی تھیں ۔ اُن کے ذہن میں صرف آپ ہی کا خیال ہوتا تھا اور زبان پر صرف آپ ہی کا نام ۔ اُنھوں نے اپنے آپ پر لازم کر لیا تھا کہ صبح شام رسول اللہ کے مزار کی زیارت کیا کریں اور وہاں کھڑے ہو کر آنسوؤں سے اُس پاک زمین کو تر کیا کریں ۔ وہ وہاں بیٹھ جاتیں اور جب آنسوؤں کے ذریعے سے دل کا غبار نکال لیتیں تو غمگین وحزین دل کے ساتھ وہاں سے واپس آ جاتیں ۔

شدت رنج و الم نے ان کے کمزور و نحیف جسم کو اور بھی گھلا دیا تھا ۔ اور اس بھاری صدمے نے ان کے نرم و نازک دل کو اور بھی کمزور کر دیا تھا ۔ بالآخر جوانی ہی کے عالم میں یہ پاک و مطہر ہستی اُسی باغ رعنا میں پہنچ گئی جہاں اس سے پہلے اُس کے بھائی بہن اور والدہ و والد پہنچ چکے تھے ۔

حضرت فاطمہ کی وفات

حضرت فاطمہ کی وفات ۳ رمضان ۱۱ ھ منگل کو رات کے وقت ہوئی ۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھائیس سال کی تھی ۔ حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ آپ جنت البقیع میں دفن کی گئیں ۔ مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ آپ کی وفات رسول اللہ کی وفات سے چھ مہینے بعد ہوئی ۔ ایک دو کا خیال ہے کہ تین مہینے بعد ۔ لیکن پہلی روایت ہی صحیح ہے ۔

آپ کی عمر کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے تینتیس برس کی عمر میں وفات پائی* ۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی عمر ستائیس یا انتیس سال کی تھی† ۔ بعض تیس اور پینتیس سال تک عمر بتاتے ہیں‡ لیکن صحیح عمر وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی آپ نے اٹھائیس سال کی عمر میں وفات پائی ۔

مسعودی نے بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ کی تجہیز و تکفین کے بعد جب حضرت علی گھر واپس گئے تو بے حد افسردہ تھے اور بار بار یہ اشعار پڑھ رہے تھے :

ارى علل الدنيا على كثيرة
وصاحبها حتى الممات عليل

* الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹ ۔
† الطبری ۔ ابن اثیر ۔
‡ الاستیعاب ابن عبدالبر ۔ تہذیب النودی ۔ انساب الاشراف ، بلاذری

لکل اجتماع من خلیلین فرقة
و کل الذی دون الفراق قلیل
و ان افتقادی فاطماً بعد احمد
دلیل علٰی ان لا یدوم خلیل

(میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کی بیماریوں اور مصائب نے مجھے چاروں طرف سے آ گھیرا ہے - اور اہل دنیا مرنے تک بیمار رہتے ہیں - ہر یک جائی کے بعد دو دوستوں سے مفارقت ہونا ضروری ہے اور وہ زمانہ ، جو جدائی کے بغیر ہوتا ہے ، تھوڑا ہوتا ہے - احمد کے بعد فاطمہ کی مفارقت اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا -)

☆ ☆ ☆

آخر میں ہم حضرت فاطمہ کی بیٹیوں کا مختصر سا حال بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں -

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں حضرت فاطمہ کی دو بیٹیاں تھیں - زینب اور ام کلثوم کبریٰ - حضرت زینب کی شادی ابن جعفر سے ہوئی اور ام کلثوم حضرت عمر بن الخطاب سے بیاہی گئیں اور آپ کی وفات کے بعد وہ عون بن جعفر بن ابی طالب کی زوجیت میں آئیں* -

یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ حضرت فاطمہ کی

* تہذیب النودی -

تین بیٹیاں تھیں لیکن یہ روایت کمزور ہے اور مؤرخین میں سے کسی نے اس کی تائید نہیں کی ۔

رسول اللہ کی دوسری بیٹی زینب کے بطن سے ہالہ پیدا ہوئی تھیں ۔ حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد حضرت علی نے ان سے شادی کر لی ۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد آنھوں نے آن کی وصیت کے مطابق بنو ہاشم کے ایک شخص سے عقد کر لیا ۔ حضرت معاویہ بھی ان سے نکاح کرنا چاھتے تھے ۔ چنانچہ آنھوں نے پیغام بھی بھیجا اور مہر میں ایک لاکھ درھم بھی دینے کا وعدہ کیا لیکن آنھوں نے انکار کر دیا اور حضرت علی کی وصیت کے بموجب آسی ہاشمی سے عقد کیا ۔ اس واقع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ اھل بیت سے شادی بیاہ کا سلسلہ قائم کرکے ان سے تعلقات قائم کرنے کے کس درجہ خواہش مند تھے لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی ۔

زینب بن فاطمہ جرأت و بہادری اور بلاغت و فصاحت میں جواب نہ رکھتی تھیں ۔ واقعۂ کربلاء کے بعد آنھوں نے ابن زیاد اور یزید کے درباروں میں جس جرأت و ہمت کا ثبوت دیا اور جس فصاحت و بلاغت سے تقریریں کیں وہ اپنی نظیر آپ ہیں اور آج بھی تاریخ کے صفحات اس کی شہادت دے رہے ہیں ۔